فضلِ کبیرؒ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

ادارہ انوارِ ادب

کتاب : فضل کبیر

مصنف : ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں

اشاعت اوّل: ۱۹۹۹ء، اکتوبر

اشاعت ثانی: فروری ۲۰۰۷ء

مطبع : عبارت پرنٹنگ ٹریڈرس کھوکھر محلہ حیدرآباد فون:2785992

ادارہ انوارِ ادب

371-سی/ون، یونٹ 8، لطیف آباد، حیدرآباد 71800 (سندھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

(بے بہا) + اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ہ

۲۰ ۰ ۰ ۴ ۱ ۵ = ۱۴۲۰ھ

مقدمہ

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا بے حد احسان ہے کہ اُس نے حضور انور ﷺ کے صدقے میں مجھ حقیر پر بے پایاں احسانات فرمائے' زبان میں طاقت نہیں کہ شکر ادا کر سکوں۔ ۱۳۸۲ھ میں "تاریخِ اسلاف" (تاریخی نام کے ساتھ) شائع کی تھی۔ اس میں اپنے اسلافِ کرام اور خاندان کے کچھ حالات عرض کیے تھے اور ساتھ ہی بعض روحانی کیفیات بھی (محض ادائے شکر کی غرض سے) درج کر دی تھیں، جن کا میں ہر گز اہل نہیں تھا، اور نہ اب ہوں۔ وہ کتاب خاندان ہی کے لیے تھی، لیکن وہ کسی طرح باہر چلی گئی جس کے لیے میں بارگاہِ الٰہی میں شرم سار ہوں۔ لوگوں نے اس حقیر کو معلوم، نہیں کیا کیا سمجھ لیا اور بار بار تنہائی میں فرمائش کی کہ دوسری کیفیات بھی لکھ دوں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ اس دَور میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور انور ﷺ کے صدقے میں ایسے واقعات رونما ہو سکتے ہیں، اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں ایمان کی پختگی پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسے اصرار سے مجبور ہو کر کچھ انعامات اور احسانات کا ذکر کر رہا ہوں لیکن بارگاہِ الٰہی میں بے حد شرم سار ہوں اور عرض پرداز ہوں کہ اگر غلطی ہوئی ہے تو وہ مجھے معاف فرما دے اور آخرت میں رسوا نہ فرمائے۔ آمین!

گر بُد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ
اخبار میں اَلطَّالِحُ لِیْ ہم نے سُنا ہے

(حالیؔ)

عرضِ مرتب

یہ واقعات حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ کے روحانی مرتبے اور فضیلت کی طرف ایک اشارہ ہیں۔ اگرچہ انھوں نے یہ واقعات اپنی زندگی میں لکھے ضرور تھے مگر عام نہیں کیے تھے۔ اس میں سے بیش تر واقعات حضرت صاحبؒ کی ڈائری میں محفوظ تھے، کچھ یادداشتوں میں تھے۔ جولائی ۱۹۹۹ء میں آپ نے انھیں لکھنا شروع کیا، اگست میں اس کے پروف پڑھے گئے، ۲۹؍ستمبر ۱۹۹۹ء (بدھ) کو یہ کتاب بالکل مکمل ہوگئی۔ اسی روز حضرت صاحبؒ نے فرمایا: ''اس کو عام نہیں کرنا ہے، بس اس کو محفوظ کرادیں۔'' ان کا مقصد یہی تھا کہ اس کتاب کو وہ اپنی زندگی میں عام کرنا نہیں چاہتے تھے۔

اس سے قبل حضرت صاحب کو جو واقعات یاد آتے وہ چھوٹے چھوٹے صفحات پر لکھ کر راقم الحروف کو دیا کرتے تھے۔ میں نے یہ کیا کہ ان تمام انوارات کو ابواب میں تقسیم کیا، اور ہر عنوان کے ذیل میں شمار کرامات کو زمانی ترتیب دے دی۔ یہ دیکھ کر حضرت صاحبؒ بہت ہی خوش ہوئے تھے اس روز آپ نے بے شمار دعاؤں سے نوازا تھا۔ حضرت صاحبؒ کی وفات ۲۵؍ستمبر ۲۰۰۵ء کے بعد یہ کتاب دیکھتے دیکھتے ختم ہوگئی۔ لہٰذا اب اس کا دوسرا ایڈیشن اس طرح شائع کیا جارہا ہے کہ آخر میں آپ کے ہاتھ کے لکھے نسخے میں سے چند صفحات تبرکاً شامل کیے گئے ہیں۔ اللہ پاک حضرت صاحبؒ کے درجات میں خوب خوب ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

ڈاکٹر مسرور احمد زئی

حضورِ انور ﷺ کی چند عنایتیں

بحمدِ اللہ حضور اکرم ﷺ کی شفقت اس ناچیز اور گندے شخص پر بہت مدّت سے ہے۔ میں شاید ۱۱۔ ۱۲ سال کا تھا جب حضور اکرم ﷺ (روحی فداہ) نے خواب میں نوازا۔ پھر اس وقت سے اب تک متعدّد ایسے موقعے نصیب ہوئے۔ اَلْحمدللہ! خوابوں یا مراقبوں میں حضرت آدم علیہ السّلام، حضرت شیث علیہ السّلام، حضرت نوح علیہ السّلام، حضرت ابراہیم علیہ السّلام، حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام وغیرہ کی زیارت نصیب ہوئی، اور فرشتوں کی بھی۔ اور آل و اصحاب (و ازواجِ مطہرات) علیہم السّلام میں سے کئی بزرگوں سے شرف حاصل ہوا۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رکن العالم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اور متعدد اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس ذرّۂ بے مقدار کو نوازا۔ اللہ پاک نے اس گندے اور ناپاک شخص پر اپنی رحمتِ کاملہ سے بہت زیادہ فضل فرمایا ہے۔ میں جتنا اس کا شکر کروں کم ہے۔ الحمدللہ!

میں چھوٹا تھا اُس وقت جبل پور میں یہ خواب دیکھا کہ ایک مکان میں میرے ماموں مولانا عبدالمجید خاں صاحب کے ساتھ ایک بہت نوری شکل کے

بزرگ تشریف فرما ہیں۔ میں باہر سے دوڑتا ہوا آیا تو ماموں صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ان کو سلام کرو، یہ حضور انور ﷺ ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا تو انھوں نے مجھے جواب دے کر اپنی گود میں بٹھالیا۔ الحمد للہ۔ لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کس زبان سے شکر ادا کروں!

شبِ سہ شنبہ ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ (۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء) کو حضور انور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ کچھ فرمایا، لیکن یاد نہیں رہا۔

شبِ شنبہ ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ (۳ جولائی ۱۹۳۷ء) کو شہر منڈلہ (ہمشیر صاحبہ کے مکان میں) حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ کچھ کبیدہ خاطر تھے کہ کسی دشمنِ اسلام سے تکلیف پہنچی تھی۔

غالباً ۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے جب میں کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی میں پڑھاتا تھا۔ وہاں امراؤتی میں خواجہ لطیف احمد صاحب پانی پتی، انسپکٹر آف اسکولز تھے۔ ان کے پاس مولانا یحییٰ کی ایک کتاب "جیادُ اللّسان" آئی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس کتاب پر تبصرہ لکھ دو۔ گھر آیا تو رات کو حضور انور ﷺ کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی۔ (الحمد للہ)۔ فرمایا کہ "اس کتاب کے خلاف کچھ مت لکھنا۔" چناں چہ میں نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا، صرف سرسری جائزہ کے طور پر چند کلمات لکھ دیے۔ یہ کتاب محنت سے لکھی گئی تھی۔ بعض مقامات تصحیح طلب تھے (لیکن ایک نیک صالح بزرگ کی تصنیف تھی)۔

پھر بارہا حضور انور ﷺ کی شفقتیں نصیب ہوئیں ۔ شبِ یک شنبہ ۶ ۱۳۷ھ (۱۷ فروری ۱۹۵۷ء) کو حضور انور ﷺ کی پھر زیارت نصیب ہوئی ۔ میری والدہ صاحبہ بھی ان کے ساتھ تھیں ۔

ایک دن پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی کے مکان نمبر ۳۲۸ میں فجر کے بعد مراقبہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً حضور انور ﷺ تشریف لے آئے ۔ تمام کمرہ خوش بُو سے مہک گیا ۔ میں بے قابو ہو گیا ۔ سَر بہ سجود ہو گیا اور دیر تک پڑا رہا ۔ پھر اہلیہ آگئیں ۔ وہ بھی اس خوش بُو سے اور حیرت سے سکتے میں آگئیں ۔ لاکھوں لاکھوں درود و سلام آقا ﷺ کو ہر دم پہنچیں ۔ مجھ عاجز میں کیا طاقت ہے کہ اتنے درود و سلام پیش کر سکوں ۔

حج کے بعد ۱۹۶۴ء میں جب مدینہ طیّبہ میں حاضری ہوئی تو ۲۷ ذی الحجہ (۹ مئی) کو حضور انور ﷺ نے اپنا دستِ کرم میرے سَر پر رکھا اور فرمایا: ”تم میری اولاد میں ہو“ (کچھ اسی طرح کے الفاظ تھے) اِس شفقت والی ہستی ﷺ پر ہر دَم قربان ہوتا رہوں! (آمین)

۱۹۵۶ء سے غریب خانے پر (واقع سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد) ہر دو شنبہ اور جمعہ کو (پہلے مغرب کے بعد اور اب عصر کے بعد) اجتماعی طور پر مراقبہ ہوا کرتا ہے ۔ عربی کا درس، اَحادیث کا ترجمہ یا مسائلِ فقہ وغیرہ یا قرآن خوانی ہوتی ہے ۔ پھر مراقبہ ہوتا ہے ۔ دو شنبہ ۱۲ رجب ۱۳۹۰ھ (۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ء) کو مغرب کے بعد جب مراقبہ ہوا تو دیکھا کہ یکایک ملک الموت یعنی

حضرت عزرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اُن کے ساتھ کوئی اور صاحب بھی تھے جنھوں نے ان سے میری شناخت کرائی اور چھپ گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا انھوں نے عزرائیل علیہ السلام کو بتایا کہ غلام مصطفٰے یہی ہے۔ عزرائیل علیہ السلام میرے سامنے بائیں طرف کو کھڑے ہوئے نظر آئے۔ ان کی ریشِ مبارک گویا مہندی سے رنگی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ حضور انور ﷺ کے صدقے میں اور بزرگانِ دین (علیہم الرحمہ) کے طفیل میں میرا خاتمہ بالخیر فرمادے اور آخرت میں شرم رکھ لے، نیز میرے سب عزیزوں اور مسلمانوں کو بخش دے۔ (آمین ثم آمین)

میرے منجھلے بھائی عبدالرحمٰن خاں صاحب کو بھی حضرت عزرائیل علیہ السلام نظر آئے تھے کہ وہ تشریف لائے ہیں۔

۱۲ رجب ۱۳۹۰ھ (۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ء) کے واقعے کے بعد (جو غالبًا میری تربیت کے لیے واقعہ تھا) شب پنج شنبہ ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ (۲۱، ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء کی درمیانی شب) میں حضور انور ﷺ نے خاص الخاص شفقت سے مجھے کئی گھنٹے ساتھ رکھا اور مجھ سیاہ کار کی تربیت فرمائی۔ الحمدللہ قربان جاؤں۔

میں مر جاؤں یا مصطفٰے کہتے کہتے — یہ دَم نکلے صلِّ علٰی کہتے کہتے

دو شنبہ ۲۸ رجب ۱۳۹۱ھ (۲۰ ستمبر ۱۹۷۱ء) کو عصر کے بعد کچھ لوگ مراقبہ کے لیے جمع ہوئے۔ مغرب کے بعد مراقبہ ہوا تو دیکھا کہ

حضور انور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ کتھئی رنگ کا کرتہ پہنے ہوئے ہیں اور اوپر والا بائیں طرف کا نکیلا دانت جسے عربی میں ناب کہتے ہیں، نہیں ہے۔ ڈاڑھی سیاہ ہے۔

معلوم ہوتا تھا کہ جنگِ اُحد میں جو دانت شہید ہوا تھا وہ یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (بڑا کرم فرمایا۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ)

شبِ شنبہ ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ کو میرے پیارے پوتے حافظ مُنیر احمد خاں سلمہٗ نے بڑے پُر کیف لہجے میں تراویح پڑھائی۔ پندرھواں اور سولھواں پارہ تھا۔ تھوڑی دیر میں میری والدہ صاحبہ تشریف لے آئیں اور منبر کے باہر بیٹھ گئیں۔ پھر مدینہ منورہ کے رخ سے حضور انور ﷺ کی تشریف آوری ہوئی۔ سبز عبا میں سفید سفید پھول تھے اور عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کھڑے ہوئے مُنیر احمد سلمہٗ کا قرآن سنتے رہے۔ اسی موقع پر میرے والد صاحب بھی تشریف لے آئے اور دیر تک قرآن پاک سنتے رہے۔ پوری فضا پر سناٹا تھا اور ہر سننے والے کی عجیب کیفیت تھی۔ الحمد للہ!

اِس سے پہلے بھی کئی سال سے کچھ اسی قسم کی کیفیات اور مناظر رہے ہیں۔ کبھی حضور انور ﷺ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی عزت بخشی، کبھی والدہ صاحبہ اور مُنیر احمد کے والد کی نانی صاحبہ، کبھی مُنیر احمد کے والد کے نانا صاحب اور کبھی دوسرے اعزاء بھی تشریف لاتے رہے۔ کس زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں۔ میرا رُواں رُواں بھی شکر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایک مرتبہ حج کے دوران گروپ کے افراد نے سب پیسے ایک جگہ رکھ دیے کہ جن حضرات کو خرچ کرنا ہو اِس میں سے لے لیں، مدینہ منورہ میں تھے کہ اتفاق سے سب پیسے خرچ ہو گئے اور جدّہ جانے تک کے لیے پیسے نہیں تھے، میں نے روضۂ مبارک پر جاکر عرض کیا کہ حضورؐ پیسے ختم ہو گئے ہیں، جدّہ جانے تک کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ میں اپنی قیام گاہ پر پہنچا ہوں کہ ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ یہ پیسے رکھ لیں، پاکستان میں میرے بھائی کو دے دیجیے گا۔ چناں چہ ہم نے وہ پیسے خرچ کیے اور پاکستان پہنچ کر ادا کر دیے۔

ایک بار حج کے لیے حاضری ہوئی، مدینہ منورہ میں ہمارے ایک ساتھی بابا امید علی سرائی صاحب تھے جو بہت ضعیف تھے اور اُن کی واپسی کی تاریخ ہمارے بعد تھی، اکیلے بھی تھے، اور اسی وجہ سے پریشان بھی تھے۔ میں نے حضور انور ﷺ سے عرض کیا "حضورؐ! اُن صاحب کی تاریخ ہمارے ساتھ فرمادیں۔" میں اپنی قیام گاہ پر پہنچا ہی تھا کہ ایک صاحب دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ اُن صاحب کا پاسپورٹ دے دیں جن کی تاریخ بعد کی ہے، میں نے بھی بلا سوچے سمجھے اُنھیں پاسپورٹ دے دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ صاحب وہی تاریخ ڈلوا کر لے آئے۔ میں سمجھ گیا کہ وہیں سے ہوا ہے۔ یہ سب حضور انور ﷺ کے کرم کے صدقے میں ہے۔

شب پنج شنبہ ۱۵ ربیع الاوّل ۱۳۹۳ھ (۱۸۔۱۹ اپریل ۱۹۷۳ء کی درمیانِ شب) میں سعدیہ سلمہا کو حضور انور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ (سراج احمد سلمہٗ بھی اور میں بھی اس وقت حاضر تھا۔ سعدیہ نے بتایا)۔

سعدیہ سلمہا نے بتایا کہ حضور انور ﷺ گھٹنوں سے نیچا کرتہ، سفید گول ٹوپی، چوخانے کا سبز تہمد پہنے ہوئے تھے۔ لمبی سیاہ ڈاڑھی تھی جس میں سامنے کے کچھ بال سفید تھے۔ اور مجھ حقیر کے سامنے تشریف فرما تھے۔ سعدیہ سلمہا نے سراج احمد سلمہٗ سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ سراج احمد نے جواب دیا کہ یہی تو حضور انور ﷺ ہیں۔ سعدیہ کی بائیں طرف سراج احمد کھڑے ہوئے تھے۔

کراچی سے سراج احمد خاں نے ۱۶ر جولائی ۱۹۷۶ء کا خواب مجھے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا:

"میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ بہت اچھا خواب دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور نہایت ہی اچھی آواز سے لاؤڈ اسپیکر سے اذان دے رہا ہوں۔ وہاں ہزاروں لوگ موجود تھے۔ میری اذان کو انھوں نے بہت پسند کیا اور بہت سراہا۔ اس کے بعد خوش الحانی سے اور رو رو کر اللھم لبیک پڑھ رہا ہوں۔ اور جو لوگ میرے ساتھ ہیں وہ بھی میرے ساتھ زور زور سے پڑھ رہے ہیں۔ خدا کرے کہ اس خواب کی تعبیر میرے حق میں ہو۔ میرے لیے دعاء کریں کہ یہ سعادت نصیب ہو جائے۔ آمین!"

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہے کہ سراج احمد سلمہٗ اور صالحہ سلمہا نے پہلا حج ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء میں ادا کیا۔ سراج احمد کے اب تک آٹھ حج ہو گئے ہیں اور صالحہ کے تین حج ہوئے۔ الحمد للہ!

از لطفِ تو ہیچ بندہ نومید نہ شد
مقبولِ تو جز مقبلِ جاوید نہ شد
لطفت بکدام ذرّہ پیوست دمے
کاں ذرّہ بہ از ہزار خورشید نہ شد
(ابو سعید ابوالخیرؒ)

چلو پیا کے دیس، سکھی جی، چلو پیا کے دیس

بفضلہٖ تعالیٰ ۱۹۵۳ء میں پہلا حج نصیب ہوا تھا۔ پھر بارہا یہ کرم ہوا جس کا شکر ادا کرنا کیوں کر ممکن ہے! میرا رُواں رُواں شکر کرے اور ہر دم شکر کرے، تب بھی کم ہے۔

سہ شنبہ ۴ شوال المکرم ۱۳۷۲ھ (۱۶ جون ۱۹۵۳ء) کو پونے گیارہ بجے شب (شبِ چہار شنبہ) کو ہم لوگ کراچی سے مغل لائن کے جہاز مظفری سے روانہ ہوئے، بڑے بھائی حاجی نذیر احمد خاں صاحب، بڑی بھاوج صاحبہ اور حمیدن باجی (بھانجی) کے ساتھ یہ عاجز اور اہلیہ بھی تھیں۔ حضرت شاہ زوّار حسین صاحب مدظلہ، اُن کی اہلیہ صاحبہ، صوفی محمد احمد صاحب، ان کی اہلیہ صاحبہ، ان کے والد صاحب اور ان کا چھوٹا بھائی ذوالفقار احمد، صدیقن صاحبہ اور ثروت النسا صاحبہ وغیرہ ساتھ تھیں۔ بدھ ۱۲؍ شوال المکرم (۲۴ جون ۱۹۵۳ء) کو علی الصباح جدّہ پہنچے۔ وہاں سے لموں میں بیٹھ کر ہم لوگ مدینۃ الحجاج (حاجی کیمپ) پہنچے اور وہاں کمرہ نمبر ۷۲ میں قیام کیا۔ جمعرات کو ۸ آنے فی کس موٹر کار، میں دے کر حضرت حوّا علیہا السلام کے مزار مقدس کی زیارت کی جدّہ میں پاکستان کا نوٹ اپنی قیمت میں ریال کے برابر تھا لیکن خیال ہوا کہ حاجیوں کے آجانے سے اس کی قیمت گر جائے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ پاکستانی روپیہ کو سعودی اشرفیوں میں تبدیل کرالیا جائے۔ چناں چہ ۴۰ روپے کی ایک گنی کے حساب سے میں نے ۲۸ گنیاں خرید لیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اچھا کیا۔ جمعہ کی نماز جدّہ میں مسجد معمار میں پڑھی جو بازار میں ہے اور بہت قدیم

معلوم ہوتی ہے۔ وہاں نماز میں بڑا کیف و سرور پیدا ہوا اور میں چیخ مار کر رو پڑا۔ جدّہ میں بوشومی نام کا ایک عجیب طرح کا پھل کھایا (بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ناگ پھنی کا پھل ہے۔ مکہ معظمہ میں بہت ہوتا ہے اور ۵۔۷ عدد کھالینے سے دن بھر پیاس نہیں لگتی اور مطمئن ہوتا ہے۔ کم کھانا قبض کرتا ہے)۔ یہ آلو سے بڑا تھا۔ اوپر سے سبز تھا۔ اس کا موٹا اور نرم چھلکا تھا، اس کو دور کرنے سے اندر سے گلابی رنگ کا مغز نکلا جو میٹھا تھا۔ (اس سے پہلی رات کو معلّم جمیل مکّی کے وکیل حسن نظار نے آکر کہا تھا کہ فوراً تیار ہو جاؤ، موٹر تیار ہے۔ مدینہ طیبہ کو جاؤ۔ ہم دونوں نے سامان موٹر میں رکھوایا۔ رات کو بہت دیر تک موٹر کھڑی رہی۔ پھر کچھ آگے بڑھی اور پولیس یا Customs (چنگی خانہ) گئی۔ وہاں بڑی دیر کھڑی رہی اور پھر واپس اُسی مقام پر آگئی جہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ وہاں تھوڑی دیر کے بعد موٹر کے اندر سامان بھر اگیا لیکن مسافر کم تھے اس لیے ڈرائیور نے کہا کہ سب لوگ اتر جاؤ، کل جانا۔ مجبوراً ہم لوگ اتر گئے۔) دوسرے دن یعنی جمعہ ۱۴ شوال (۲۶ جون) کو علی الصباح بھائی صاحب، بھاوج صاحبہ اور حمیدن بائی مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور ہم لوگ عصر کے بعد مدینہ طیبہ کے لیے موٹر میں سوار ہوئے۔ مقررہ تعداد سے دو آدمی زیادہ تھے۔ اس لیے پولیس نے اجازت نہیں دی کہ موٹر روانہ ہو۔ موٹر پولیس کے دفتر سے واپس آکر پھر اسی مقام پر کھڑی ہو گئی جہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ موٹر والوں نے ہم دونوں سے کہا کہ اتر جاؤ۔ کچھ پریشانی محسوس ہوئی تو میں نے مراقبے میں حضور اکرم ﷺ سے اپنی پریشانی عرض کی۔ الحمد للہ فوراً خاص اجازت مل گئی کہ ان دو شخصیتوں کو بس سے نہ اتارا جائے۔ چناں چہ ہم لوگ جمعہ کو مغرب سے کچھ پہلے جدّہ سے روانہ ہوئے۔ رابغ تک راستہ پختہ ہے اور Tar Road ہے۔ اس کے بعد کچا، پتھریلا یا ریگستانی راستہ ہے۔ شنبہ کو دوپہر کے وقت موٹر کا ایک

ٹائر پھٹ گیا۔ اتفاق سے مجھے جاننے والے ایک صاحب ٹرک سے گزرے اور ہم سب کو آگے ایک منزل پر ٹھہرادیا۔ کچھ دیر کے بعد ٹائر درست ہوا اور موٹر ہماری منزل پر پہنچ گئی۔ ہم لوگ منزل بہ منزل ٹھہرتے ہوئے شنبہ کی رات (شبِ یک شنبہ) ذوالحلیفہ (بئر علی ؓ) عشاء کے وقت پہنچے اور رات کو وہیں قیام کیا۔ پھر یک شنبہ ١٦ شوال (٢٨ جون) کو فجر کی نماز کے بعد صرف تین مِیل کی مسافت طے کر کے دیارِ حبیب ﷺ پہنچے۔ دُور سے گنبدِ خضرا نظر آیا، تو میں بے قابو ہو کر موٹر کے اندر ہی کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں نے بھی ارمان نکالنا شروع کیا۔ مدینہ طیبہ کے معلّم ہر شہر اور صوبے کے لیے الگ الگ ہیں۔ جبل پور والوں کے لیے حمزہ تھے۔ لیکن ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لیے ان کے بھائی علی ابوالجود انصاری، جبل پور والوں کے معلّم ہیں۔ لیکن ہم لوگ حضرت شاہ صاحب ؒ کے ساتھ مولانا عبدالغفور صاحب ؒ کے دولت کدے پر ٹھہر گئے اور ظہر کے وقت روضۂ اقدس پر سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ دو شنبہ ١٨ شوال (٢٩ جون) کو مغرب سے پہلے حضور اکرم ﷺ (روحی فداہ) اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی عبداللہ مراقبے میں زیارت نصیب ہوئی۔ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے۔ بڑی رقت رہی۔ الحمد للہ!

دو شنبہ کو بعد ظہر علی ابوالجود انصاری کے یہاں ہم دونوں دعوت میں گئے۔ حمزہ مرحوم کے صاحبزادے احمد کو دس ریال بہ طور ہدیہ پیش کیے۔ شام سے قبل مدینہ طیبہ کے بازار کی سیر کی۔ ظفر احمد اور سراج احمد کے لیے ڈیڑھ ڈیڑھ ریال کی ٹوپیاں خریدیں۔ ایک سفید ٹوپی دو ریال میں اس عاجز نے اپنے لیے خریدی۔

چہار شنبہ ٢٠ شوال (یکم جولائی) کو مغرب سے پہلے مراقبے میں حضور

اکرم ﷺ مع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت نصیب ہوئی۔ تھوڑی دیر میں حضرت دائی حلیمہ تشریف لائیں تو سب بزرگوں نے ان کی تعظیم کی اور وہ درمیان میں بیٹھ گئیں۔ بڑی رقت ہوئی اور بہت لطف آیا۔ حضور اکرم ﷺ نے خاص شفقت فرمائی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک اُچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو استغناے کمال حاصل ہے اور انھیں سوائے حضور اکرم ﷺ کے عشق کے کچھ اور پروا نہیں ہے۔ عجیب شان ہے۔

پنج شنبہ ۲۱ شوال (۲؍جولائی) کو فجر کے بعد جنت البقیع کی زیارت نصیب ہوئی۔ تمام مزارات ڈھا دیے گئے ہیں۔ بڑا قلق ہوا۔

جمعہ ۲۲ شوال (۳؍جولائی) کو مراقبے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علیحدہ ایک گوشے میں اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم ﷺ کے قریب دیکھا۔ الحمد للہ!

شنبہ ۲۳ شوال (۴؍جولائی) کو نماز فجر کے بعد مسجد قبا، مزار اقدس حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و شہدائے احد، مسجد قبلتین، مسجد فتح وغیرہ مقامات کی زیارت کی۔ الحمد للہ رات کو حضور اکرم ﷺ کی خاص شفقت رہی۔ الحمد للہ!

یک شنبہ ۲۴ شوال (۵ جولائی) کو نماز فجر کے بعد جنت البقیع کی پھر زیارت کی اور خصوصاً سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ۔ وہیں حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔

سہ شنبہ ۲۶ شوال (۷ جولائی) کو صبح مولانا بدر عالم صاحب سے ملاقات کے لیے گئے۔ مولانا عبد الغفورؒ صاحب کے دولت کدے کے سامنے شمس العلماء پروفیسر عبد الغنی صاحب رہتے ہیں۔ تین سال سے وہ یہیں ہیں۔ انھوں نے ہماری دعوت کی۔ شام کو مغرب سے پہلے حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بالکل صاف زیارت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ! مغرب کے بعد کھجوریں خریدیں۔

چہار شنبہ ۲۷ شوال (۸ جولائی) کو فجر کے بعد جنت البقیع کی پھر زیارت کی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور متعدد آل و اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت اچھی طرح نصیب ہوئی۔ الحمد للہ! واپسی میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں دو نفلیں پڑھیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مشہد کو پھر دیکھا۔ شام کو (مغرب سے پہلے) سرورِ کائنات ﷺ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ پھر جنگِ احد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صف آرائی دکھائی گئی۔ بڑی رقت رہی اور پھر زیادہ فرحت بھی نصیب ہوئی۔ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے۔

پنج شنبہ ۲۸ شوال (۹ جولائی) تہجد اور فجر کے درمیان امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہ عہدِ طفلی زیارت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ! سبز لمبا کرتہ زیب تن تھا۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دو مرتبہ سنہرے حلے میں دیکھا الحمد للہ! شام کو آں حضرت ﷺ نے پھر اس ذرّۂ بے مقدار کو نوازا۔ الحمد للہ!

جمعہ ۲۹ شوال (۱۰ جولائی) آج فجر کے بعد اہلیہ کے ساتھ جنت البقیع کی زیارت کی اور دوسرے قریب کے مقدس مقامات پھر دیکھے۔ قبل نماز جمعہ، قبل مغرب اور قبل عشاء حضور اکرم سرورِ کائنات ﷺ (روحی فداہ) نے پھر شرف بخشا۔ الحمد للہ! آج زکام اور کھانسی کی دوا ڈاکٹر عبدالرحمٰن خاں صاحب سے لایا۔ جزاہ اللہ فی الدارین خیرا۔ شمس العلماء پروفیسر عبدالغنی صاحب کے یہاں بعد نماز عصر حاضری دی۔

شنبہ ۳۰ شوال (۱۱ جولائی) کو پھر مسجدِ قبا، مسجدِ قبلتین، مسجد الفتح اور روضۂ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ (کوہِ اُحد) کی زیارت حاصل کی۔ شام کو پھر سرورِ کائنات ﷺ (روحی فداہ) نے شرف بخشا۔

یک شنبہ ۔۔۔۔ آج بعد ظہر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دولت کدے پر چوتھی بار حضور اکرم ﷺ کی کمان کی زیارت کی، جو سرورِ عالم ﷺ نے جنگِ اُحد کے موقع پر حضرت سعد ابنِ وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرماکر اس طرح فرمایا تھا: "اِرمِ یَا سعد فِدَاکَ اَبِی وَاُمِّی" (صحیح بخاری)۔ یہ کمان ایک بڑے صندوق میں رکھی ہوئی ہے جو سلطان عبدالمجید خاں مرحوم نے تیار کرایا تھا اور اسی کے اندر یہ حدیث درج ہے۔ اسی صندوق میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تالا (لکڑی کا) رکھا ہوا ہے، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قرآن پاک کی نقل بھی ہے۔

دو شنبہ ۲ ذی قعدہ (۱۳ جولائی) کی فجر کی نماز کے بعد حضور سرورِ کائنات ﷺ کے والد حضرت عبداللہؓ کے مزار کی زیارت کی، اُن سے پہلے اسی گلی میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ قریب ہی دوسری گلی کے

بر ے پر حضرت مالک ابن سنان رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت نصیب ہوئی۔ پھر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مسجدیں اور مسجد الغمامہ (جس میں حضور اکرم ﷺ نمازِ عید ادا فرماتے تھے) دیکھیں اور وہاں نفلیں پڑھیں۔ الحمد للہ!

سہ شنبہ ۳ ذی قعدہ (۱۴ جولائی) آج فجر کے بعد حضور سرورِ کائنات ﷺ کے والد صاحب حضرت عبداللہ اور صحابی حضرت مالک ابن سنان رضی اللہ عنہ کے مزارات کی دوبارہ زیارت کی۔ اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مسجد میں نماز نفل ادا کی۔ ظہر کے وقت حضور اکرم ﷺ نے خاص طور پر نوازا۔ اور جناب مولانا منظور حسین صاحب سے، جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں رہتے ہیں، دو مرتبہ دیر تک ملاقات ہوئی۔ افریقہ کے سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب سے بھی ملاقات کی۔

چہار شنبہ ۴ ذی قعدہ (۱۵ جولائی) آج فجر کے بعد مسجدِ سجدہ (ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مسجد) مسجد الاجابہ، مسجد مائدہ وغیرہ میں نفلیں پڑھیں اور واپسی میں جنت البقیع کے پیچھے حضرت فاطمہ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ) اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (راویٔ احادیث) کے مزارات پر حاضری دی۔ الحمد للہ!

پنج شنبہ ۵ ذی قعدہ (۱۶ جولائی) آج کوہِ احد کی طرف فجر کے بعد پیدل روانہ ہوئے اور راستے کی کئی مقدس مسجدوں میں نفلیں پڑھیں۔ پھر اُحد کے اس مقام تک گئے جہاں حضور اکرم ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوا تھا۔

وہاں پولیس والے جانے نہیں دیتے تھے۔ آج مغرب سے پہلے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی زیارت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ!

شنبہ ۷ ذی قعدہ (۱۸ جولائی) مغرب کی نماز کے بعد مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور رات بھر موٹر میں سفر کرتے رہے۔ صبح رابق پہنچے۔ اور دن بھر قانون کے مطابق سفر سے احتراز کیا۔ پھر عصر کے قریب روانہ ہو کر مغرب کے بعد اور عشاء سے پہلے جدّہ پہنچے، اور بغیر قیام کیے ہوئے وہاں سے روانہ ہو کر رات کو مکہ معظمہ پہنچے۔ الحمد للہ! پیر کی صبح طواف اور عمرہ ادا کیا۔ صفا اور مروہ بھی ہو آئے اور دن میں حرم شریف کئی مرتبہ جانے کا موقع نصیب ہوا۔ الحمد للہ!

مدینہ طیبہ سے واپسی پر مکہ معظمہ میں طواف اور نماز کے ادا کرنے کا موقع خوب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ پاک کا بڑا کرم و احسان ہے۔ الحمد للہ! لیکن مدینہ طیبہ کی برکات دوسری نوعیت کی ہیں جن کے لیے آنکھیں اشک بار ہیں اور دل بے قرار ہے۔ ہائے مدینہ۔ مکہ معظمہ میں طواف کے بعد ملتزم پر دو مرتبہ دعاء کی کہ اللہ پاک! میری سب سے بڑی اور خاص دعاء یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر ہر دم لاکھوں اور کروڑوں درود و سلام بھیج۔ اس دعاء پر زمین سے آسمان تک جنّت کے مناظر نظر آنے لگے۔ اللہ اکبر۔ الحمد للہ! پھر یہ سعادت بارہا نصیب ہوئی۔

ہندوستان اور پاکستان کے بعض بڑے بڑے اولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے مزارات پر حاضر ہونے سے انوار و تجلّیات کی وجہ سے دل بے قابو

ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی عجیب حالت ہو جاتی تھی۔ اس لیے خیال تھا کہ مدینہ طیبہ میں مزارِ اقدس کے سامنے میرا انتقال ہو جائے گا لیکن وہاں عجیب قسم کی تسکین اور طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ دل میں اگر جوش زیادہ بھی ہو جاتا ہے تو فوراً تسکین کی فراوانی سے جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ عجب شان ہے۔ الحمد للہ!

سہ شنبہ ۸ ذی الحجہ (۱۸ اگست) کو صبح منیٰ روانہ ہوئے اور چہار شنبہ ۹ ذی الحجہ کو عرفات میں حج ادا کیا۔ الحمد للہ! مغرب کے وقت وہاں سے مزدلفہ روانہ ہوئے۔ رات بھر وہاں رہے اور جمعرات کو طلوع آفتاب کے بعد مزدلفہ سے پھر منیٰ کو روانہ ہوئے۔ زوال سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چناں چہ فوراً کنکریاں مارنے چلے گئے اور واپسی پر عصر کے بعد قربانی کی۔ پھر جمعہ وہیں گزار کر شنبہ ۱۲ ذی الحجہ (۲۲ اگست) کو کنکریاں مارنے کے بعد (ظہر کے بعد) منیٰ سے مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ الحمد للہ۔ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بڑی آسانی کے ساتھ اور بغیر کسی تکلیف کے ہر کام پورا ہو گیا۔ الحمد للہ!

۱۹۶۱ء میں عمرہ بھی نصیب ہوا۔ عزیزم حمید اللہ خاں نے بحری جہاز کے چار مفت ٹکٹ دوسرے درجے کے حاصل کیے۔ اُن کے ساتھ شعور احمد فاروقی صاحب، بشیر اللہ صاحب اور راقم الحروف تھا۔ راستے میں عدن پر کئی گھنٹے جہاز ٹھہرا، تو ہم لوگ وہاں شہر دیکھنے بھی گئے تھے۔ جدّہ میں امین الدّین صاحب جبل پوری تشریف لے آئے تھے۔ ان کی وجہ سے ہم لوگوں کو بہت سہولت رہی۔ اُن کے ساتھ ہم لوگ سیدھے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ راستے میں بدر شریف آتا ہے (وہاں کے موٹر اسٹینڈ سے وہ جگہ جہاں حضور انور ﷺ تشریف فرما تھے اور غازیوں کی رہبری فرما رہے تھے، مشکل سے دو سو گز دُور ہو گی) ہماری موٹر نئی تھی اور اس کا چلانے والا شہدائے بدر (رضوان اللہ علیہم

اجمعین) کے مزارات تک لے جانے سے انکار کر رہا تھا۔ اس لیے ہم نے ۵ ریال میں ایک بس لے لی۔ وہاں بہت بسیں رہتی ہیں۔ بس میں بیٹھ کر مزارات تک گئے۔ فاتحہ پڑھ کر تھوڑی دیر مراقبہ کیا۔ پھر واپس آکر موٹر میں بیٹھ گئے اور تہجد کی اذان سے پہلے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ سامان باہر ہی ایک چائے والے کے یہاں رکھ دیا اور سیدھا حضور انور ﷺ کے مواجہ شریف میں حاضر ہوا۔ بڑی شفقت فرمائی۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مُدّ ظلّہٗ کی خدمت میں ہم لوگ پہنچے۔ وہ بھی بڑی ہی محبت سے پیش آئے۔ پورے دس دن وہاں کا قیام نصیب ہوا اور تمام مقامات میں حاضری ہوئی۔ پھر مکۃ معظمہ کو روانگی ہوئی۔ وہاں بھی تہجد کے وقت پہنچے۔ پانچ دن قیام کیا اور ہر روز عمرہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ پھر عبدالقادر صاحب جبل پوری کی معیت میں ایک دن غارِ حرا کی حاضری بھی نصیب ہوئی۔ میرے رفقاء نے میری بڑی مدد فرمائی۔ (جزاهم الله فی الدّارین أحسن الجزاء) بہت سا پانی، برف اور اَنناس وغیرہ ساتھ رکھ لیا تھا کیوں کہ ذرا اوپر چڑھنے سے پیاس لگتی ہے۔ وہاں بغیر پانی کے جانا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ تعجب ہے کہ حضور انور ﷺ کس طرح پہنچ جاتے تھے اور امّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی کھانا وغیرہ کس طرح پہنچاتی تھیں۔ غارِ حرا تک پہنچنے میں چڑھائی بہت آتی ہے۔ پھر جب پہاڑ پر پہنچ جاتے ہیں تو ایک چھوٹا سا گڑھا ملتا ہے جس میں کبھی بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہوگا۔ وہاں سے آگے بڑھنے پر وہ مقام آتا ہے جہاں ایک بار حضور انور ﷺ کا شقِ صدر ہوا تھا۔ وہاں سے آگے جانے پر ایک تنگ راستے سے کچھ قدم نیچے اترنا پڑتا ہے۔ پھر ترچھے ہو کر آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور غار ہے۔ پھر ذرا آگے غارِ حرا ہے جو مثلث کی طرح ہے۔ یعنی ٹھیک سَر کے اوپر ایک زاویہ ہے اور اُس زاویے سے خانۂ کعبہ بالکل سامنے پڑتا ہے۔

ایک دن ہم لوگ جنت المعلیٰ، جبلِ عرفات، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ تمام مقامات تک پہنچے۔ پھر پانچ دن کے قیام کے بعد بحری جہاز سے واپس ہوئے۔ الحمدللہ مدینہ طیبہ کے اس قیام کے زمانے میں بارہا حضور انور ﷺ نے ذرہ نوازی فرمائی۔ اور خیال ہے کہ ایک قطب سے بھی ملاقات ہوئی۔ الحمدللہ! مکہ معظمہ کے قریب کے مقامات کی بھی حاضری نصیب ہوئی۔

اس مرتبہ مدینہ طیبہ میں ایک عجیب واقعہ ظہور میں آیا۔ وہ یہ کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک عرش کا ایک ٹکڑا آسمان سے اترتا ہوا نظر آیا۔ اس کے انوار و تجلیات کا ذکر، زبان و قلم کی قوت سے باہر ہے۔ اس کا فرش اس قدر مرصع و مطلا تھا کہ اس کے لیے کوئی تشبیہ و استعارہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔ پھر دیکھا کہ سیاہ لباس پہنے ہوئے بکثرت ملائکہ رکوع میں مستقل کھڑے ہوئے ہیں۔ اِس عاجز پر بڑا رعب و جلال طاری ہوا۔ اور ساتھ ہی یہ اندازہ بھی ہوا کہ رب العالمین کس طرح رحمۃ للعٰلمین ﷺ کا شیدائی ہے۔ سبحان اللہ!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَلفُ اَلفُ مَرَّۃً۔

۱۹۶۴ء میں محترم بشیر اللہ صاحب، حمید اللہ صاحب اور شعور احمد صاحب ساتھ تھے۔ ۱۶؍اپریل کو روانہ ہوئے تھے۔ سہ شنبہ ۲۱؍اپریل کو حج تھا۔ عرفات میں بڑی رقت طاری رہی۔ شبِ جمعہ ۲۴؍اپریل کو مسجد خیف (مِنیٰ) میں حاضری نصیب ہوئی۔ وہاں کی مسجد میں صحن کے آخر میں ایک قبہ ہے۔ وہاں حضور انور ﷺ قیام فرمایا کرتے تھے۔ ہم لوگوں کو بھی وہاں قیام کی سعادت نصیب ہوئی۔ مسجد کے مُسَقَّف حصے کے ساتھ صحن جہاں سے شروع ہوتا ہے وہاں داہنی طرف حضرت آدم علیہ السلام کا مزار شریف ہے۔

وہ وہاں تشریف فرما تھے اور بہت سے بلکہ سبھی انبیاء علیہم السلام وہاں موجود تھے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، داود علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام اور اصحابِ کہف علیہم السلام وغیرہ۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام زرق برق لباس میں نظر آئے۔ اُن کے داہنے کندھے سے بائیں پہلو تک ایک سنہرا حلقہ (Belt) تھا۔ اور وہ ایک منتظم کی حیثیت سے چل پھر رہے تھے۔ درمیان میں حضورِ انور ﷺ ایک نہایت حسین تخت پر جلوہ فرما تھے۔ کچھ سیاہ فام انبیاء علیہم السلام بھی نظر آئے جو ایک نورانی دریا میں غرق نظر آرہے تھے اور صرف اُن کا سر نظر آرہا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس زرد رنگ کا تھا اور اُس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے حسین اور لحیم شحیم تھے۔ وہ کسی انتظام میں تھے اور چکر لگا کر حضرت آدم علیہ السلام کے قریب کھڑے ہو جاتے تھے۔

۱۴ ذی الحجہ (۲۶ اپریل) کو مکہ معظمہ میں بھی عصر کے بعد اسی طرح کا منظر نظر آیا۔ (پھر کئی سال تک کم وبیش اسی طرح کا منظر مسجدِ خیف میں نظر آتا رہا)۔

۱۹۶۶ء میں ہم لوگ دو شنبہ ۲۲ مارچ کو کراچی سے روانہ ہوئے عصر کے بعد جدہ پہنچے۔ شہر سے کچھ رقم لینی تھی اس لیے جدّہ میں کچھ دیر کے لیے ٹھہرنا پڑا۔ عشاء کے بعد مکہ معظمہ پہنچے۔ نماز کے بعد دو (۲) طواف اور دو (۲) سعی کی۔ پھر تہجّد کا وقت ہو گیا۔ اشراق کے بعد (۸ ذی الحجہ کو) منیٰ کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں (منگل کو) قیام کیا اور دوسرے دن حج کے لیے (بدھ کو) عرفات میں حاضر ہوئے۔ وہاں سے مغرب کے بعد مزدلفہ کے لیے روانہ

ہوئے۔ وہاں رات قیام رہا، سخت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دوسرے دن یعنی جمعرات کو منیٰ، واپس پہنچے۔ ۱۲ ذی الحجہ کی رات میں مسجد خیف میں حاضری ہوئی۔ صحن کے آخر میں (وسط میں) جو قبہ ہے۔ وہاں قیام کیا۔ مسجد کے مسقّف حصے کے بعد داہنی طرف جہاں سے صحن شروع ہوتا ہے وہاں حضرت آدم علیہ السّلام کا مزار مبارک ہے۔ بعض دوسرے انبیاء علیہم السّلام کے مزارات بھی ہیں لیکن ظاہر نہیں ہیں۔ مراقبہ میں تھا تو حضرت آدم علیہ السّلام، حضرت سلیمان علیہ السّلام، حضرت یوسف علیہ السّلام، حضرت ابراہیم علیہ السّلام، حضرت یحیٰ علیہ السّلام اور اصحاب کہف علیہم السّلام نظر آئے (بلکہ اُن کا غار بھی نظر آیا)۔ یہ سب انبیاء علیہم السّلام تشریف رکھتے تھے لیکن حضور انور ﷺ کا تخت سب سے اونچا تھا۔ اِس مرتبہ سب انبیاء علیہم السّلام نظر نہیں آئے جس طرح پہلے نظر آئے تھے۔ میں نے حضرت آدم علیہ السّلام سے عرض کیا کہ اِس مرتبہ کم نظر آرہے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ فرمایا کہ بیٹے تم بہت دیر سے آئے ہو۔ اس لیے سب انبیاء علیہم السّلام نہیں ہیں، (کچھ اِسی طرح کے الفاظ تھے)۔

پھر ہم لوگ اُسی دن (سنیچر کو) مغرب سے کچھ پہلے مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں سے پیر کے دن عصر کے وقت جدّہ کو روانہ ہوئے اور وہاں سے تہجّد کے وقت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حیدر آباد میں اس عاجز نے دعا کی تھی کہ سفر میں میری مدد کے لیے صابر حُسین (مرحوم) کو میرے ساتھ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمالی۔ چناں چہ میں جب مدینہ منورہ میں حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عین شفقت سے حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ "تمہارے صابر حُسین آگئے؟" (کچھ اس طرح کے الفاظ تھے)۔ پھر حضور انور ﷺ نے مجھ حقیر کے سر پر اپنا دستِ مبارک رکھا۔ ایک دن اپنی چادر مبارک بھی میرے

سر پر رکھی۔ کس زبان سے شکر ادا ہو سکتا ہے! حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی بڑا اکرم فرمایا۔

اَلْحمد للہ۔ اَلْحمد للہ۔ اَلْحمد للہ!

۱۸ر جنوری ۱۹۷۱ء کو عراقی ایئر لائن سے بغداد شریف (اور وہاں سے جدّہ) گئے۔ ہم لوگ اُس وقت گیارہ افراد تھے۔ بعد میں دوسرے حضرات بھی شامل ہو گئے تھے۔ بغداد شریف رات کو پہنچے تھے۔ وہاں بیس گھنٹے ٹھہرنا پڑا۔ اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے سولہ گھنٹے سفر کیا۔ عمدہ ٹیکسی مل گئی تھی۔ اٹھارہ پونڈ ٹیکسی والے کو دیے۔ بہت خوش ہوا۔ ہم لوگ پہلے حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رات کو بھی وہاں ذکر جہر ہو رہا تھا۔ پھر امام ابو حنیفہ قدس سرّہٗ کے مزار پر حاضری دی۔ وہیں بہت خوب صورت مسجد تھی۔ مزار بھی بہت خوب صورت تھا۔ رات کو بھی وہاں طلبہ پڑھ رہے تھے۔ پھر امام موسیٰ الکاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انھی کے ساتھ امام تقی رضی اللہ عنہ کے یہاں حاضر ہوئے۔ انھی کے احاطے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے صوفیہ بھی آرام فرما ہیں۔ میں نے ایک شیعہ سے کہا کہ یہ سب حضرات یا شیعہ ہوں گے یا سب سنّی ہوں گے کہ سب ایک ساتھ آرام فرما ہیں۔ وہ شخص جواب نہ دے سکا۔ پھر قریب ۲۵ میل کے فاصلے پر مدائن شہر گئے۔ وہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مزار شریف ہے۔ وہیں بعد میں حضرت حذیفہ الیمانی رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی ۱۳۵۱ھ (۱۹۳۳ء) میں دفن کر دیے گئے (کیوں کہ انھوں نے عراق کے شاہ فیصل کو خواب میں بتایا تھا کہ دریا کا پانی ان کے قریب آرہا ہے)۔ وہاں سے ہم لوگ قریب ۴ بجے صبح کو کربلاے معلّٰی روانہ ہوئے۔ غالباً سوا سو میل کا فاصلہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مزار کے احاطے میں ہم لوگوں نے فجر کی

نماز باجماعت ادا کی۔ پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضری دی۔ پھر نجف اشرف گئے۔ وہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر پہنچے۔ وہاں کعبہ کی طرح ہر طرف سے لوگ نماز اور سجدہ ادا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ حقیر پر نظر کرم فرمائی۔ اس طرح سمجھ میں آیا کہ "میں تمہاری وجہ سے یہاں آگیا ہوں، یہاں نہیں ہوں"۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہوائی اڈے پر (بغداد شریف) پہنچے۔ دن میں ایک بجے کے قریب وہاں سے جدّہ کے لیے روانہ ہوئے اور سیدھے مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ اس مرتبہ بھی حضور انور ﷺ کی بڑی شفقت رہی۔ کئی مرتبہ زیارت نصیب ہوئی، کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ، کبھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن اور کبھی صاحب زادیوں رضی اللہ عنھن کے ساتھ۔ پھر ایک مرتبہ دیکھا کہ عرش کا ایک حصّہ وہاں پہنچا ہوا ہے اور فرشتے مؤدب کھڑے ہیں۔ اوپر سے گھٹنوں تک سفید لباس اور گھٹنوں کے نیچے سیاہ لباس تھا۔ بہت خوب صورت تھے اور قاری حضرات کے ہم شکل معلوم ہوتے تھے۔

۷ ذی الحجہ (۳ فروری ۱۹۷۱ء) کو ہم لوگ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور حج سے فارغ ہو کر (حج جمعہ ۵ر فروری کو تھا) جدّہ سے بغداد شریف اور وہاں سے کراچی پہنچے۔ بغداد کے ہوائی اڈے پر سخت بارش ہو رہی تھی اس لیے ہم لوگ وہاں سے کہیں نہیں گئے تھے۔

ایک مرتبہ مراقبہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ چہرے پر جھرّیاں پڑی ہوئی تھیں۔ قد درمیانی تھا اور ہمارے محترم مولانا ابوالفتح صغیرالدین صاحب مرحوم (صدر اسلامیات، سندھ یونی ورسٹی) سے مشابہت تھی۔ بہت بھولے بھالے اور بڑی پیاری شکل تھی۔

اُن سے مجھے بہت عقیدت ہے۔ میں "اقبال اور قرآن" کتاب لکھ رہا تھا۔ ایک جگہ ان کا ذکر آیا جی چاہا کہ کاش ان کا ذکر قرآنِ پاک میں مل جائے۔ یکایک۔ یُؤ تکم کِفلین (دو لفظ) دل میں القا ہوئے (الحدید۔ ۲۸)۔ تفسیر میں دیکھا تو معلوم ہوُا کہ وہ انھی کی شان میں ہیں۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو پھر حج کے لیے روانگی ہوئی۔ محترم ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ صاحب، اُن کی بیگم محترمہ آپا امینہ صاحبہ، محترمہ امیر بانو صاحبہ، محترمہ آمنہ بُھٹا صاحبہ، ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب، ان کی بیگم حجاب تسنیم صاحبہ، عبدالھادی خاں صاحب، انیس الرحمٰن صاحب، ضمیر صاحب، محمد صدیق صدیقی صاحب، عبدالقدیر صاحب، ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب اور عبدالرحیم عُقیلی صاحب ساتھ تھے۔ میرے داہنے گھٹنے میں قریب ڈھائی ماہ سے تکلیف تھی۔ کرسی میز پر نماز پڑھا کرتا تھا۔ ۲۸ دسمبر کو جب مدینہ منورہ کے لیے ہم لوگ روانہ ہوئے تو راستے میں ظہر کی نماز ایک مسجد میں پڑھی۔ حمدِ اللہ مطلق کوئی تکلیف نہ تھی۔ بڑا کرم ہوُا۔ قریب ۱۲ گھنٹے کے سفر کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب کے مکان پر حسبِ معمول پہنچے تو وہاں جگہ نہیں تھی، اس لیے قریب ہی ایک اور مکان میں قیام کیا۔ جمعہ ۲۹ دسمبر کو تہجد اور فجر تک حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضری دی۔ دیدار سے مشرف فرمایا۔ سب جماعت کے لیے دعا کی درخواست کی تو حضور انور ﷺ کے قریب یہ طغریٰ نظر آیا: "طوبیٰ لھُم و حسن ماٰب ۝" بڑا کرم اور احسان تھا۔ ۷ ذی الحجہ ۱۱ر جنوری ۱۹۷۳ء کو مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی۔ ۱۱ ذی الحجہ کی شام کو رمی کے بعد عبدالرحیم عُقیلی صاحب پر دل کا دورہ پڑا اور وہ فوت ہوگئے۔ اِنّا للہ وَاِنّا الیہ رَاجِعون۔ ۲۱ر جنوری کو مکہ معظمہ سے جدہ اور ۲۲ جنوری کو کراچی پہنچے۔

خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری قدّس سرّہٗ اور حضرت مجدّد الف ثانی قدّس سرّہٗ کی عنایتیں

(۱)

مجھ سیاہ کار کی روحانی تربیت حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ روحانی پرواز سے میں گرنے لگا تو فوراً حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدّس سرّہٗ نے مجھے تھام لیا۔

یک شنبہ ۷ رجب ۱۳۵۴ھ کو دیکھا کہ میں اجمیر شریف حاضر ہوا ہوں حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ سیاہ ریش تھی۔ قد ذرا لمبا تھا۔ کرتہ سفید اور لمبا تھا اور شلوار پہنے ہوئے تھے۔

اسی زمانے میں ایک شب یہ خواب دیکھا کہ حضرت شیث علیہ السّلام کے مزار پر حاضر ہوا ہوں۔ بہت ویران مقام تھا اور راستے میں خاردار جھاڑیاں تھیں۔

میرے والدین ماجدین اور بڑے بھائی حاجی نذیر احمد خاں صاحب چشتیہ سلسلے میں داخل تھے لیکن خالص شرعی طور پر تھے۔ ڈھول باجوں سے نفرت تھی۔ بڑے بھائی صاحب بہت مرتبہ اجمیر شریف حاضر ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ اگر کوئی شخص یہاں سات مرتبہ حاضر ہوتا ہے تو حضرت خواجہ صاحب کی زیارت عالم بیداری میں ہو جاتی ہے۔ بھائی صاحب نے یہ بات سنی تو بہت رنجیدہ ہوئے کہ میں اتنی بار حاضر ہوا ہوں لیکن مجھے تو زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ اسی رنج میں ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک ایک بزرگ سلام کر کے قریب بیٹھ گئے اور دریافت کیا کہ آپ کیوں رنجیدہ ہیں ؟ ، بھائی صاحب نے عرض کیا کہ میں تو اتنی بار حاضر ہوا ہوں لیکن مجھے زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ انھوں نے فرمایا: "ہو تو رہی ہے۔" بھائی صاحب نے عرض کیا کہ ہاں درگاہ شریف کو تو دیکھ لیتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا "نہیں، زیارت ہو رہی ہے۔" تین مرتبہ اسی طرح فرما کر سلام کر کے ذرا آگے بڑھے کہ غائب ہو گئے، تب بھائی صاحب کو ہوش آیا کہ واقعی وہ خواجہ صاحب ہی ہوں گے اور اس طرح زیارت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ

ایک مرتبہ خواب میں اس حقیر کو حضرت خواجہ صاحب نظر آئے، فرمایا کہ تمھاری بڑی بھاوج مجھ سے ناراض ہیں۔ (بھاوج صاحبہ نے غالباً اولاد کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی تھی اور وہ قبول نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی)۔

شنبہ ۸ مئی ۱۹۴۲ء کو قبلہ والدہ صاحبہ کے ساتھ جبل پور سے ۸ بجے رات کو جاورہ کے لیے روانہ ہوا۔ دوسرے دن قریب ۵ بجے سہ پہر کو جاورہ پہنچا۔ وہاں پٹھان ٹولی (محلہ) میں ماموں عبدالعزیز خاں صاحب کے یہاں قیام کیا۔ والدہ صاحبہ اجمیر شریف پہلے جاچکی تھیں۔ میں نہیں گیا تھا تو چھوٹے ماموں عبدالقدوس خاں صاحب کے ساتھ جاورہ سے رات کی گاڑی میں بیٹھ کر صبح ۱۷ مئی کو اجمیر شریف پہنچا۔ وہاں مجھ سیاہ کار پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا اس قدر کرم ہوا کہ وہ اپنے مزار شریف سے باہر آکر میرے سامنے بیٹھ گئے۔ میری عجیب حالت ہوئی۔ ان کی دعائیں حاصل ہوئیں۔ الحمد للہ۔ پھر دوسرے مقامات کی سیر کر کے رات کی گاڑی سے جاورہ کو واپسی ہوئی اور ۲۱ مئی کو وہاں سے جبل پور کو روانگی ہوئی۔ آخر مئی ۱۹۴۶ء میں بھی منجھلے بھائی صاحب کے ساتھ وہاں حاضر ہوا تھا۔

۱۸ جون ۱۹۴۵ء کو کلیر شریف بھی حاضر ہوا تھا۔ حضرت احمد صابر چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی شفقت فرمائی، میرے بچپن کے دوست محمد یوسف میرے ساتھ تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا لگایا ہوا گولر کا درخت موجود تھا۔ خوب گولر کھائے۔

(۲)

۱۵ مئی ۱۹۳۸ء کو جبل پور سے علی گڑھ گیا۔ پھر ۲۱ مئی کو بھائی عبدالحمید صاحب سے ملنے کے لیے (جالندھر، محلہ سید کبیر) گیا۔ راستے میں سرہند شریف کے اسٹیشن پر میری عجیب کیفیت ہوگئی۔ جی چاہتا تھا کہ گاڑی میں سے چھلانگ لگا کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزار مبارک پر پہنچ جاؤں۔ خود کو بہت سنبھالا۔ جالندھر سے واپسی رات کو ہوئی تو سرہند شریف کے اسٹیشن پہنچنے پر سو گیا تھا۔

ناگ پور سے ملازمت ترک کر کے جب کراچی آنے کے لیے بمبئی پہنچا وہاں (۱۸ یا ۱۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو) ایک مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا تو اُس کی دیوار پر حضرت مجدد الف ثانی قُدس سرہ کے اقوال ایک بڑے کاغذ پر لکھے ہوئے نظر آئے۔ ان کا ایک قول یہ تھا :۔ "حق سبحانہ تعالیٰ را ازان دوست می دارم کہ ربِ محمد است (ﷺ)۔" یہ قول دیکھتے ہی میرے دل پر زبردست جھٹکا لگا اور عجیب بے قراری پیدا ہو گئی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے دل کو مضبوطی سے تھاما۔ ایسا لگتا تھا کہ کہیں دل کی حرکت بند نہ ہو جائے۔ بڑی دیر کے بعد دل قابو میں آیا۔ سبحان اللہ۔ ایک جملے میں ایسی نعت کسی زبان میں، نظر سے نہیں گزری۔

۱۹۵۳ء میں حج سے واپسی کے بعد غالباً اکتوبر میں ہندوستان گیا اور سیونی ہوتا ہوا دہلی پہنچا۔ وہاں اُس زمانے میں بھی ۱۹۴۷ء کے ہندو مسلم فسادات کے اثرات باقی تھے۔ مسلمان اس وقت بھی سہمے ہوئے تھے۔ دہلی میں محلہ لال کنواں میں ہمدرد دواخانے کے سامنے نیو صدر ہوٹل میں ٹھہرا اور سامان ہوٹل کے کمرے میں رکھ دیا۔ پھر اس خیال سے کہ وہاں کے ہندوؤں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کی ترکی ٹوپی سے نفرت ہے تو میں نے اپنی ترکی ٹوپی وہیں ہوٹل کے کمرے میں رکھ دی اور سفید پتلی ٹوپی لگا کر حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ وہاں مراقب ہوا ہی تھا کہ انھوں نے فرمایا "چرا آن کلاہِ تتاری نہ پوشیدی ؟" اس سوال کا جواب سوائے ندامت اور شرم کے کیا ہو سکتا تھا؟۔ میں خاموش ہو گیا اور شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ پھر مراقبے

سے فارغ ہو کر ہوٹل پہنچا اور پہلا کام یہ کیا کہ اپنی ترکی ٹوپی پہنی اور اسی ٹوپی کو لگائے ہوئے دہلی کے تمام مشاہیر اولیائے کرام رحمہم اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ وہ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رُخ کیے ہوئے ایک شعر پڑھ رہے تھے :

"تو شمعِ بزمِ انسانی، تو نور العینی اے جانی" ....

ایک مرتبہ پھر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ فنا فی الشیخ کے اعلیٰ مقام پر مولانا روم" کے بعد آپ ہی کو دیکھا ہے تو جوشِ محبت سے آپ کا حسین مُتحرک چہرہ تمتمانے لگا۔ حضرت نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ جو وہیں پیچھے نالے کے پرے آرام فرما ہیں" بڑی شفقت سے پیش آئے۔ حضرت شاہ نصیر الدّین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی بہت کرم فرمایا۔ حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچ کر بہت رویا اور کافروں کے مظالم جو مسلمانوں پر ہوئے تھے ان کا ذکر کیا تو حضرت علیہ الرحمۃ نے غالباً یہ فرمایا کہ مسلمان اگر مسلمان بن جائے تو کہیں بھی رہے' کوئی خوف نہیں۔ (صحیح الفاظ اب یاد نہیں رہے) یہ سب گفتگو فارسی میں ہوئی بلکہ یہ مشہور شعر بھی انھوں نے میری آمد پر فرمایا تھا :۔

آہستہ خرام بلکہ مخرام - زیرِ قدمَت ہزار جان است

حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاہ ابو سعید علیہ الرحمہ کا ایک فارسی رسالہ "ہدایت الطالبین" ہے وہ اُردو ترجمہ کے ساتھ

شایع کردو۔ (چناں چہ بعد میں حکم کی تعمیل کی گئی) یہ بھی فرمایا کہ وہ ثلث و رقاع خطوط میں بھی بہت ماہر تھے۔ (اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک بڑا قرآن شریف، مدینہ منورہ کی رباطِ مظہریہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔) حضرت شاہ کلیم اللہ" جہاں آبادی، حضرت سرمد شہید" اور دوسرے بزرگوں کے یہاں بھی حاضری دی۔ پھر رات کی گاڑی سے سرہند شریف کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں فجر کے وقت پہنچا۔ اسٹیشن ہی سے حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ عنہ کی توجہات شروع ہو گئیں۔ درگاہ شریف فاصلے پر ہے۔ وہاں پہنچتے پہنچتے ہی سخت بخار شروع ہو گیا اور میں دروازے کے قریب ہی ایک کمرے میں لیٹ گیا۔ میرے رفقاء بشیر اللہ صاحب، عبدالغفار صاحب اور محمد اخلاق صدیقی صاحب کراچی سے آگئے تھے۔ وہ لوگ میرے شدید بخار کی وجہ سے بڑے پریشان تھے۔ وہ لوگ کمرے سے گئے تو حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ عنہ اور اُن کے پوتے حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور پھر تشریف لے گئے۔ میرا بخار کسی طرح کم نہ ہوتا تھا۔ رفقاء قریب کی بَستی (بستی) میں ڈاکٹر کی تلاش میں گئے۔ عرس کا زمانہ تھا، بڑا ہجوم تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہزاروں لوگوں کے ہجوم میں درگاہ شریف کی مسجد کے ایک ضعیف اور خوب صورت مؤذّن صاحب میری تلاش میں آئے اور مسکرا کر فرمانے لگے کہ آپ یہاں روک لیے گئے ہیں اور یہ بخار وغیرہ نہیں ہے بلکہ خاص توجہات ہیں۔ دوسرے دن بھی تیز بخار رہا۔ تیسرے دن اور بھی تیز ہو گیا اور میں اس وقت تک ایک مرتبہ بھی آستانۂ عالیہ میں حاضر نہ ہو سکا تھا۔ تیسرے دن مغرب کے وقت اس قدر شدت سے بخار آیا کہ مغرب کے فرض لیٹے لیٹے پڑھے اور

سکتیں پڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اتنے میں حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ عنہ پھر تشریف لائے اور فرمایا۔ "آج تو تیسرا ہی دن ہے اور کل جمعہ ہے، پرسوں چلے جانا۔" میں نے اپنے رفقاء سے عرض کیا کہ آج عشاء کے وقت مجھے سرہند شریف کے لیے روانگی کے تین دن پورے ہو جائیں گے اور انشاءاللہ عشاء کے وقت میرا بخار دور ہو جائے گا۔ آپ لوگ فکر نہ کریں۔ چناں چہ ٹھیک عشاء کی اذان شروع ہوتے ہی میرا بخار غائب ہو گیا۔ میرے کپڑے پسینے سے تر ہو چکے تھے۔ اس لیے میں نے رات کے بجائے صبح کو فجر کے بعد آستانۂ عالیہ پر حاضری دینے کا ارادہ کیا۔ چناں چہ صبح کو حاضر ہوا تو حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مسکرا کر فرمانے لگے۔ "تم آگئے؟" میں نے عرض کیا۔ "جی ہاں، حضور!" پھر خوب مستفیض ہوا اور بخار میں رہ چکنے کے باوجود میرے جسم میں اتنی قوت پیدا ہو گئی کہ میں پیدل ہی حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر پہنچ گیا۔ (قریب دو میل کے فاصلے پر ہے) اُن کی خدمت میں بیٹھا تو فارسی میں گفتگو فرمائی۔ اور حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا۔ "او فخرِ خاندانِ من است!" میں نے عرض کیا۔ "او فخرِ اُمتِ محمدیہ است (ﷺ)"۔ میرے اس عرض کرنے پر جوش مسرت سے اُن کا چہرہ مبارک تمتمانے لگا اور مجھے بہت دعائیں دیں۔ پھر فرمایا کہ تم اب کراچی جاؤ اور فلاں دن بمبئی سے جہاز جائے گا۔ کراچی میں تمھاری والدہ تم کو یاد فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ "بہتر ہے!" پھر آستانۂ عالیہ کے قریب خاندانِ مقدسہ کے دیگر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی شفقت فرمائی پھر

حضرت خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا کرم ہوا۔ مغرب کے بعد حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ بہت سے سکھ لوگ جمع ہیں اور لنگوٹ باندھے ہوئے ہیں۔اور حضرت صاحب علیہ الرحمہ اُن میں سے ایک ایک کو پکڑ کر دیوار کی ایک دراڑ سے بُری طرح ٹکرا رہے ہیں۔اور وہ لوگ بے تحاشا بھاگ رہے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ کے جلال کو دیکھ کر مؤدّب بیٹھا رہا اور سلام عرض کر کے واپس آگیا۔ پھر عشاء کے بعد حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بیٹھا تو دیکھا کہ کئی بزرگ خدمت میں جمع ہیں۔اور ایک بزرگ کسی بلا کو گرفتار کر کے لائے ہیں۔اُس بلا کی شکل عورت جیسی تھی ۔اور بڑے بڑے آبلے یا پھوڑے تمام بدن پر تھے۔ حضرت قدس سرّہٗ نے اس عاجز سے فرمایا۔ ''تم جاؤ۔ یہ وقت تمھارے لیے نہیں ہے۔'' چناں چہ میں فوراً ہی وہاں سے مؤدّب واپس جاکر اپنے کمرے میں سو گیا۔ صبح کو سنیچر تھا یعنی وہ دن جب کہ حضرت قدس سرّہٗ کی طرف سے جانے کی اجازت تھی۔ دن کو حاضری دی ۔اور اجازت لے کر رخصت ہوا۔اور بغیر ویزا کے پانی پت پہنچا۔ وہاں حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتی علیہ الرحمہ اور اُن کے صاحبزادے قاری عبدالسلام علیہ الرحمہ کے مزارات کے قریب ہی میرے دادا پیر حضرت محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کا مزار ہے۔وہاں دیر تک مراقب رہا۔اور بہت مستفیض ہوا۔ الحمدللہ ! پھر واپس سیونی آیا۔ وہاں بار بار حضرت سید محمد علیہ الرحمہ اور دوسرے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور بمبئی ہوتا ہوا کراچی واپس آگیا۔

جولائی ۱۹۵۶ء میں ہندوستان کا سفر کیا۔ اس مرتبہ مُرشدی مولانا زوّار حسین صاحب ساتھ تھے، (میری اہلیہ کچھ دن پہلے بعض عزیزوں کے ساتھ ہندوستان جاچکی تھیں) کراچی سے ہم لوگ حیدرآباد پہنچے۔ وہاں سے رات کی گاڑی سے روانہ ہو کر علی الصباح کھوکھراپار پہنچے، وہاں فجر کی نماز ادا کی تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے بارمیل وغیرہ ہوتے ہوئے مغرب کے وقت لونی اسٹیشن پہنچے۔ وہاں کے رَس گلّے مشہور ہیں۔ دن بھر کے بھوکے تھے۔ میں نے چاہا کہ رَس گلّے خرید لوں۔ حضرت شاہ صاحب نے منع فرمایا کہ ہندو کی مٹھائی چیز مت کھاؤ۔ رات بھر سفر کے بعد دوسرے دن علی الصباح اجمیر شریف پہنچے۔ حضرت شاہ صاحب نے قریب ڈھائی گھنٹے تک حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں مراقبہ کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے حضرت شاہ صاحب کو چشتیہ سلسلے کا اجازت نامہ عطا فرمایا، وہاں سے فارغ ہو کر ایک مسلمان کے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ کچھ کھانا سفر کے لیے بھی ساتھ رکھ لیا۔ عصر کے وقت وہاں سے روانہ ہوئے۔ جاورہ، رتلام، کھنڈوا ہوتے ہوئے اٹارسی پہنچے۔ وہاں سے جبل پور کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا۔ کچھ آم کھا لیے۔ رات کو جبل پور پہنچے۔ اسٹیشن پر سو گئے۔ صبح کو محلہ بھان تلیا میں صابر خان صاحب کے یہاں قیام کیا۔ وہاں محلّے کے جاننے والے آگئے۔ عصر کے وقت رانی تالاب کے قبرستان میں والد صاحب کے مزار پر حاضری دی۔ مجھے ایسا ظاہر ہوا کہ والد صاحب نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا: ''میں تو اب دنیا میں نہیں ہوں، آپ ہی میری جگہ ہیں۔ غلام مصطفیٰ کا خاص خیال رکھیے گا۔'' پھر جبل پور سے ہم لوگ سیونی کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں لکھنادون میں میرے سسرال میں ایک دن قیام کیا۔ پھر چھپارہ ہے۔ وہ ہمارے بزرگوں کا گاؤں تھا۔ وہاں فیلقوس محمد خان صاحب انجنیا سے آگئے اور ہم لوگوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں ایک دن قیام کیا۔ واپس چھپارہ آ کر سیونی کے لیے روانہ ہوئے

۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنی ممانی صاحبہ کے یہاں قیام کیا اور حضرت شاہ صاحب کو حاجی کشف الدجیٰ خان صاحب اپنے گھر لے گئے۔ سیونی میں غالباً تین دن قیام کیا۔ وہاں ناگ پور کے کمشنر مقبول احمد خان آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنی گاڑی میں ہم لوگوں کو ناگ پور لے گئے۔ اپنے بنگلے میں ٹھہرایا۔ پھر ہم لوگ پروفیسر سید رفیع الدین صاحب کے بنگلے پر قیام کے لیے مجبور کیے گئے۔ اُن کی بڑی محبت ہے۔ انھوں نے حسبِ معمول بڑا تکلف فرمایا۔ ۲۔ ۳ دن قیام رہا اور حضرت بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بھی حاضری دی۔ ناگ پور سے اٹارسی اور بھوپال ہوتے ہوئے ہم لوگ آگرہ پہنچے۔ اس سفر میں بھی حضرت شاہ صاحب نے ہندو کے ہاتھ کا کھانا نہ خود کھایا اور نہ مجھے کھانے دیا۔ تاج محل دیکھنے کے بعد ایک مسلمان کے ہوٹل میں چائے پی اور بسکٹ کھائے۔ اتنی بہت بھوکا تھا تو میں نے فوراً بسکٹ کھانا شروع کر دیا۔ خوف یہ تھا کہ اس کے کھانے سے بھی کہیں حضرت شاہ صاحب منع نہ فرمادیں۔ پھر آگرہ سے ہم لوگ دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک اسٹیشن پر آم فروخت ہو رہے تھے۔ وہ کچھ کھالیے۔ پھر شام کو ایک مسلمان کے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ میری اہلیہ جو پہلے سے لکھناؤں میں تھیں وہ اپنے بھائی اظہار الحق کے ساتھ دہلی آگئی تھیں۔ اُس وقت تک ہم لوگ دہلی کے اولیائے کرام (رحمہ اللہ علیہم) کے یہاں حاضری دے چکے تھے بلکہ پانی پت میں بھی حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھی حاضری دے کر دہلی آچکے تھے۔ دہلی سے ہم لوگ سرہند شریف حاضر ہوئے ۔ عجیب انعامات حاصل ہوئے۔ بظاہر ایک انعام تو یہ تھا کہ ہم میں سے کئی کے پاس سرہند شریف کا ویزا نہیں تھا۔ ہم سب ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ پولیس والا آیا اور ہم میں سے صرف اُن لوگوں کا پاسپورٹ طلب کیا جن کے پاس ویزا تھا۔ اور جن کے پاس ویزا نہیں تھا وہ لوگ اُسے نظر ہی نہیں آئے۔ ہم سب اکٹھے بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر میں پھر وہی پولیس والا آیا اور اُس نے ان لوگوں کو پاسپورٹ

واپس دے دیے جن کے پاس وہاں جانے کا ویزا (اجازت نامہ) موجود تھا۔ بڑی حیرت ہوئی، لیکن اللہ پاک کے احسانات کا کوئی کیا شکریہ ادا کر سکتا ہے۔ اس مرتبہ میرے شیخ حضرت شاہ زوّار حسین صاحب مدظلہ اور میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ اہلیہ بھی مراقب ہوئیں اور انھیں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نظر آئے تو اپنے متعلق اُن سے تین مرتبہ کچھ سوال کیا۔ آپ نے ہر بار میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "اپنے شوہر کے ذریعے سے کہو"۔ عجیب اسرار ہیں اور شریعت کی سخت پابندی ہے۔ الحمد للہ! حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا تو اس مرتبہ یہ دیکھا کہ ایک بنگالی مسلمان کوئی فریاد لے کر حاضر ہوا ہے اور ایک ہندو بحری افسر کھڑا کانپ رہا ہے۔ پھر واپسی پر حیدر آباد کے اسٹیشن پر اخبار میں دیکھا کہ اُسی دن اور اُسی وقت رنگون کے قریب ایک ہندو بحری افسر کو کسی نامعلوم طاقت نے جہاز سے باہر پانی میں پھینک دیا۔

پھر ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۶۳ء کو کراچی سے، ہوائی جہاز سے دہلی گیا۔ اور ۱۹ جولائی تک وہاں قیام کر کے تمام بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی۔ مسجد فتح پوری کے پیش امام مفتی محمد مظہر اللہ صاحب مدظلہ (جو میرے عزیز شاگرد پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے والد ہیں) اور ان کے صاحب زادگان سے بھی شرفِ نیاز حاصل کیا۔ اور ۲۰ / ۲۱ جولائی کو سرہند شریف کی حاضری بحمد اللہ پھر نصیب ہوئی۔ وہاں تمام بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی۔ تمام بزرگوں نے بڑا کرم فرمایا۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے (جن کے مکتوبات دو جلدوں میں شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے) بڑی شفقت سے نوازا، وہاں دوسرے بزرگ بھی تشریف فرما تھے۔ ان بزرگوں نے اس عاجز کے متعلق حضرت علیہ الرحمہ سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ تو حضرت علیہ الرحمہ نے جواب دیا: "یہ ہمارے مجدد صاحب قدس سرہ کا چہیتا ہے۔" الحمد للہ! کہاں یہ کلمات اور کہاں مجھ جیسا سیاہ کار! قربان جاؤں اس شفقت کے!

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی قُدّس سرّہٗ کے بعض اقوال :

(۱) حضورِ انور ﷺ نے عورتوں کو صرف قول سے بیعت کیا ہے اور اپنا ہاتھ ہرگز بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ (۳/۴۱)

(۲) حیوانات کو مشائخ کی نذر کے لیے اُن کی قبروں پر ذبح کرتے ہیں۔ روایاتِ فقہیہ میں اس عمل کو شرک کہا گیا ہے۔ (۳/۴۱)

(۳) بعض لوگ مزار یا پیر کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں اور سجدہ کرنے لگتے ہیں۔ (ممنوع ہے)۔ (۱/۲۹)

(۴) حضرت مجدّد ؒ فرماتے ہیں : ''جاننا چاہیے کہ سماع و رقص در حقیقت لہو و لعب میں داخل ہے۔ جو شخص حرام فعل کو مستحسن اور اچھا جانتا ہے وہ اسلام کے دائرے سے نکل جاتا ہے اور مُرتد ہو جاتا ہے، تو پھر خیال کرنا چاہیے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا، بلکہ اُس کو طاعت و عبادت سمجھنا کس قدر بُرا ہے۔ (۱/۲۶۶)

(۵) آج کل بدعات پر اس قدر زور ہے کہ ایک گروہ یہاں تک سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہم نے شروع کیا ہے وہی دوسرا بھی کرے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ دوسرا کافر ہے۔ حضرت مجدّد ؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا قول ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے، حَسَنہ اور سیئہ۔ حَسَنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین ؓ کے زمانے کے بعد پیدا ہوا ہے اور وہ سُنت کو رفع نہ کرے اور بدعت سیئہ وہ ہے جو سُنت کی رافع ہو۔ یہ فقیر اِن بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت، مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔ (۱/۱۸۶)۔

تاہم، حضرت مجدّد ؒ نے مبتدعین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اہلِ قبلہ ہیں۔ اُن کی تکفیر کی جرأت نہ کرنا چاہیے جب تک کہ وہ دینی ضروریات کا انکار اور احکامِ شریعت کے متواترات کو رَد نہ کریں۔ (۳/۳۸)

غالباً جون ۱۹۵۷ء میں پروفیسر علی نواز جتوئی، پروفیسر حضور احمد سلیم اور سراج احمد سلمہٗ کے ساتھ حیدر آباد سے لاہور، راول پنڈی، گولڑا شریف، مَری، موڑا شریف، مظفر آباد پھر بالا کوٹ گیا۔ بالا کوٹ میں موڑ اسٹینڈ کے قریب ہی حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمہ کا مزار ہے، وہاں عجیب کیفیت ہوئی۔ مزار کے قریب پھسل کر گر پڑا اور بے تاب ہو گیا۔ پھر سکون ہوا تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا: ”میں اسی جگہ شہید ہوا تھا اور میرا گھوڑا بھی یہیں کھڑا ہوا تھا جب کہ ایک سکھ نے مجھے شہید کیا۔ اور شاہ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ لڑتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور آگے جا کر شہید ہوئے۔“ یہ بھی فرمایا کہ تمہارے بعض اعزا بھی میرے ساتھ تھے۔ پھر میں شاہ اسمٰعیل دہلوی علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ بڑا جلال نظر آیا۔ فرمانے لگے: ”ہماری نظر میں جیسے مسلمان ہونے چاہییں ویسے اب نظر نہیں آتے“ اور یہ بھی فرمایا: ”آج کل کے مسلمان شہید ہونے کے لیے دعا نہیں مانگتے کہ کہیں وہ دعا قبول نہ ہو جائے۔“ پھر ایبٹ آباد اور پشاور گیا۔ پشاور میں حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ بڑی شفقت فرمائی، پھر حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ عنہ پر اپنی جان چھڑکنے والے سپہ سالار اور گورنر مہابت خاں علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرطِ محبت سے اُن کی قبر اور قریب کی زمین لرزنے لگی اور مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ بڑی محبت اور شفقت سے گفتگو فرمائی۔ یہ اور اس قسم کے بہ کثرت واقعات اس عاجز سیاہ کار پر وارد ہوئے۔ اور وہ صرف اللہ پاک کے احسانات و انعامات کے اظہار کے لیے بیان کیے گئے ہیں کیوں کہ ارشاد ہے:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ ورنہ یہ سیاہ کار ان کیفیات اور ایسے انعامات کے ہرگز لائق نہیں۔ اور قارئین سے یہی التماس ہے کہ ان باتوں پر دھیان نہ دیں کیوں کہ یہ کشفی چیزیں ہیں جو معتبر نہیں بھی ہوسکتی ہیں اور بزرگانِ دین علیہم الرضوان والرحمہ کی ارواح مقدسہ سے بھی بہت عاجزانہ معذرت ہے۔ اگر کوئی بات غلط منسوب ہوگئی ہو تو معاف فرمائیں۔

۱۹۶۹ء میں جب کابل گیا تھا، وہاں ایک دن یکایک بابر بادشاہ کے مزار کی طرف کشش ہوئی۔ احمد علی میمن صاحب کو میں نے ساتھ لیا اور آگے بڑھتا گیا۔ جس کسی سے ان کے مزار کے متعلق پوچھتا تھا، وہ لاعلمی کا اظہار کرتا تھا۔ ہم دونوں آگے بڑھتے گئے۔ پھر ایک ٹیکسی والے سے (فارسی میں) دریافت کیا تو وہ ہم دونوں کو بابر بادشاہ کے مزار پر لے گیا۔ عجیب کشش، پھر عجیب سکون حاصل ہوا۔ وہ بھی نقشبندی تھے۔

اسی طرح ۱۹۷۱ء میں غُرغُشتی (کیمبل پور کے قریب) حاضر ہوا تو وہاں قبرستان کی طرف سے بڑی کشش ہوئی۔ میں بغیر کسی سے دریافت کیے ہوئے، قبرستان کے اندر داخل ہوکر سیدھا اپنے پَر نانا کے والد اخوند محمد بشارت علیہ الرحمہ کے مزار پر جاکر کھڑا ہوگیا۔ بڑی شفقت فرمائی۔ (الحمدللہ)

علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کی شفقتیں

میں جب امراؤتی کالج میں تھا تو اپنے حقیر مضامین رسالہ، معارف
(اعظم گڑھ) کے لیے بھیجا کرتا تھا۔ علامہ صاحب نے جب ''رحمتِ عالم'' لکھی تو
مجھے فرمایا کہ اس کی عبارت پر نظر ڈال لو۔ پھر جب ''نقوشِ سلیمانی'' شائع کی
تو پھر اسی طرح مجھے تحریر فرمایا۔ تعمیلِ حکم میں چند مقامات کے لیے کچھ عرض
کردیا۔ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے کہ انھوں نے اس کتاب کے دوسرے
ڈیشن میں چار جگہ میرا ذکر کیا ہے۔

جب وہ کراچی تشریف لائے تو خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ ''تم نے
ی اجازت کے بغیر ہندوستان کیوں چھوڑا؟'' بڑی شفقت کا جُملہ تھا۔

ایک دن اُن کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ وہ اندر تھے لیکن میز پر اُن کا
یر کردہ ایک خط سامنے ہی پڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے میری نظر اس پر پڑ گئی۔
ں نے میرے متعلق بہت تعریفی کلمات حکومت کو لکھے تھے۔ اُن کی شفقت
لیکن میں اب بھی ان سے معذرت خواہ ہوں کہ میں نے اُن کی اجازت کے
ہ خط کیوں دیکھا!

علامہ صاحب کے انتقال کے بعد اُن کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوا تو فرمایا کہ میں نے ''حیاتِ شبلی'' لکھی تھی۔ اس میں ایک جگہ میں نے اسے حصہ اوّل کہا ہے۔ تم حصہ دوم لکھ دو۔ میں نے وعدہ کیا۔ لیکن پھر اپنے عزیز شاگرد ڈاکٹر سید نجی احمد ہاشمی مرحوم سے ایک مقالہ ''شبلی کا ذہنی ارتقاء'' (پی ایچ ڈی کے لیے) لکھوایا۔ ماشاء اللہ انھوں نے سخت محنت سے اس مقالے کی تکمیل کی۔ الحمدللہ اس طرح اُن کے حکم کی تعمیل ہوئی۔

کراچی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے ایک طالب علم فضل احمد نے پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھا۔ وہ کم زور تھا بلکہ ایک ممتحن نے اسے رد کر دیا تھا۔ میرے پاس یہ مقالہ آیا تو چہار شنبہ ۲۵ محرم ۱۴۰۵ھ (یکم اکتوبر ۱۹۸۶ء) کو تہجد کے وقت، میں نے علامہ صاحب کو خواب میں دیکھا۔ ان کے داہنے گھٹنے میں درد تھا۔ خواب ہی میں اُن کی خدمت میں دوڑا اور ان کا گھٹنا دبانے لگا۔ فرمایا کہ اس طالبِ علم (فضل احمد) کا کام کر دینا۔ میں نے تعمیلِ حکم کر دی۔ داہنے گھٹنے کے درد سے اشارہ غالباً یہ تھا کہ اس طالب علم کو حضرت'' سے بڑی عقیدت تھی۔

شب شنبہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ (۲۷ رمئی ۱۹۹۵ء) کو حضرت'' غریب خانے پر تشریف لائے۔ مکان کی اُوپر والی منزل میں میری چارپائی کی داہنی طرف بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تمھاری ضخیم کتاب جو لاہور سے شائع ہوئی ہے اُس پر امتحان کا پرچہ تیار کرو تو سوالات نئے انداز سے تیار کرنا۔ پھر

تشریف لے جانے لگے تو میں نے اپنے پوتے حافظ منیر احمد سلمہٗ سے کہا کہ دیکھو فلاں بچی کو۔ وہ گر نہ پڑے۔ منیر احمد نے کہا کہ وہ کیا گرے گی! پھر حضرت تشریف لے گئے۔ اتفاق ہے کہ منیر احمد کی شادی بعد میں ہوئی اور بچی پیدا ہوئی۔ (آمنہ۔ شبِ سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ کو پیدا ہوئی)۔

منیر احمد سلمہٗ سے چھوٹے شاہد نذیر خاں کا بچہ محمد احمد خاں ۵ شعبان ۱۴۱۹ھ (۲۴/۲۵ نومبر ۱۹۹۸ء کی درمیانی شب میں) حیدر آباد میں پیدا ہوا۔ اسی وقت علامہ سیّد سلیمان ندوی علیہ الرحمہ خواب میں تشریف لائے۔ کچھ فرمایا۔ لیکن میں بھول گیا۔ (بچہ ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ کو فوت ہو گیا)۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ سرہند شریف کے قریب تمئی کے مقام پر سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے میں جانا ہوا۔ مولانا آزاد سبحانی اور نواب حلیم کان پوری وغیرہ ساتھ تھے۔ رات کو جلسہ ہوا۔ صبح کو سرہند شریف حاضر ہوئے۔ علامہ صاحب اس وقت تک بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہونے کے قائل نہیں تھے، اس لیے وہاں مسجد کی فصیل پر بیٹھ گئے۔ دوسرے حضرات اندر مزار شریف کے قریب مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ فرماتے تھے کہ یکایک ایک بزرگ (یعنی حضرت مجددؒ) سامنے سے تشریف لائے۔ بہت خوب صورت تھے اور بہت جلال تھا۔ فرمایا: ''مکتوباتِ فہمیدہ ای؟'' عرض کیا کہ اندک اندک فہمیدہ ام۔ پھر حضرت علامہ بے ہوش ہو کر فصیل سے گر پڑے۔ دوسرے حضرات آئے تو

حضرت علامہ کو بے ہوش دیکھ کر اُن پر پانی چھڑکا۔ ہوش میں آئے تو پوچھا، کیا معاملہ ہوا؟ علامہ صاحب نے فرمایا کہ میں آج شکار ہو گیا۔ پھر علامہ صاحب کے مقام کے مطابق مولانا اشرف علی تھانویؒ ہی ایک بزرگ تھے جن سے علامہ صاحب بیعت ہوئے۔

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن
پہلے عادت، پھر عبادت بن گئی
(مجذوبؔ)

حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنی علیہ الرحمہ
کی شفقتیں

۱۹۵۳ء میں حضرت شاہ زوار حسین صاحب اور جماعت کے ساتھ پہلی بار مدینہ منورہ میں حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے یہاں قیام کی سعادت نصیب ہوئی۔ بڑی شفقت اور محبت سے کرم فرماتے تھے۔ کبھی کبھی صبح کو بکری کا دودھ لاکر مجھے پلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ "پی لے' پی لے۔ حضور اکرم ﷺ کو بکری کا دودھ پسند تھا۔" پھر حضرت مولانا صاحب سے خط، کتابت بھی ہوتی رہی۔ افسوس کہ اُن کے وہ خطوط اب محفوظ نہیں۔

۱۹۵۷ء میں حضرت صاحب (پوری جماعت کے ساتھ) حیدر آباد میں غریب خانے پر جلوہ افروز ہوئے۔ (اس وقت سراج احمد سلمہ بہت چھوٹے تھے، لیکن بیعت ہوئے) پھر دو (۲) مرتبہ اور حیدر آباد تشریف لائے اور آخوند عبداللطیف صاحب کے یہاں قیام کیا۔ لیکن پھر بھی غریب خانے کی دعوت قبول فرمائی۔ (حضرت صاحب کے حالات میں نے اپنی حقیر کتاب طوبیٰ لھم میں عرض کیے ہیں)۔

یک شنبہ ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ (۲۲ فروری ۱۹۸۱ء) کو خواب میں دیکھا کہ میں اس دنیا سے رخصت ہو کر دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہوں۔

وہاں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب تشریف فرما ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا کہ "جو کام تمھارے سپرد ہوا ہے اُس میں لگ جاؤ۔"

ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب علیہ الرحمہ کسی شاہی باغ میں ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ "دیکھو! بحمد اللہ میں کیسی اچھی جگہ میں ہوں۔" میں وہاں گیا تو بہت سر سبز و شاداب باغ (اور محل) نظر آیا۔ کچھ درخت "دار چینی" جیسے معلوم ہوئے۔ بڑی خوشی ہوئی۔ (دار چینی کے پودے سیلون میں ہوتے ہیں۔ میں نے ایک کرم فرما کو وہاں لکھا کہ جب وہاں سے آئیں تو دار چینی کا ایک پودا لیتے آئیں، وہ صاحب پودا لائے لیکن وہ خشک ہو گیا تھا۔)

مولانا عبدالغفور صاحب علیہ الرحمہ نے ایک واقعہ اپنا سنایا۔ فرماتے تھے کہ میں طائف میں حضرت عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ عنھما) کے مزار پر حاضر ہوا تو انھوں نے "میرے بیٹے" کہہ کر مجھے خطاب کیا۔ اُس وقت سے مجھے یقین ہوا کہ میں واقعی "عباسی" ہوں۔

حضرت زوّار حسین شاہ علیہ الرحمہ کی محبتیں

۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج کراچی میں پڑھاتا تھا۔ دسمبر میں سخت بیمار ہوا۔ ۱۷۔۱۸ دن بخار رہا۔ پھر ایک دن ایم اے کے طالب علم محمد اسحٰق بیگ میری عیادت کو آئے اور مجھ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو آپ کے لیے بخار کا تعویذ لے آؤں۔ میں نے کہا، اچھی بات ہے۔ دوسرے دن وہ اپنے دوست صوفی محمد احمد صاحب سے ایک تعویذ گلے میں ڈالنے کے لیے اور شاید تین تعویذ پانی میں گھول کر پینے کے لیے لائے۔ میں نے کہا کہ آپ ہی ایک تعویذ پانی میں گھول کر مجھے دے دیجیے۔ چناں چہ انھوں نے مجھے ایک تعویذ گھول کر دیا۔ میں نے پیا، اللہ کی شان کہ اسی وقت میرا بخار اتر گیا۔ اس طرح صوفی محمد احمد صاحب سے غائبانہ تعارف ہوا۔ وہ اس وقت خلیفۂ مُجاز بھی نہیں ہوئے تھے۔ پھر اُن سے ملاقات ہوئی۔ آنا جانا ہونے لگا۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ اسکول ماسٹر ہیں۔ ایم اے کرلیجیے تاکہ ترقی ہو۔ چناں چہ میرے مشورے سے وہ ایم اے کلاس میں آنے لگے اور ایم اے پاس کرلیا۔ اُسی زمانے میں ان کے شیخ (پھر ہمارے شیخ) حضرت مولانا زوّار حُسین صاحب علیہ الرحمہ تشریف لائے۔ ان کی سادگی اور تقویٰ دیکھ کر دل بہت متاثر ہوا۔ پھر وہ تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ صوفی محمد احمد صاحب میرے ساتھ میری اہلیہ مرحومہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے گئے۔ مجھ سے کہا کہ آپ کی اجازت ہو تو میں یہاں بیٹھ

جاؤں۔ میں نے کہا "ضرور۔ اس کے لیے اجازت کی کیا ضرورت ہے"۔ صوفی صاحب قبر کے قریب مراقب ہوئے۔ ان سے میری اہلیہ مرحومہ کی باتیں ہوئیں۔ لیکن مرحومہ کے دادا (اور میرے نانا) مولانا عبدالقادر خاں صاحب کے توسط سے (اہلیہ کے والد صاحب اس وقت زندہ تھے)۔ صوفی صاحب نے مراقبے کے بعد ایسے حالات بتائے کہ میں بہت متاثر ہوا اور بعد میں یاد کرتا تو بے ساختہ چیخ نکل جاتی تھی۔ پھر میں نے ان سے عرض کیا، آپ مجھے ذکر کا طریقہ بتادیں۔ انھوں نے کہا کہ مجھے اجازت نہیں ہے۔ لیکن میں اپنے حضرت صاحب کو لکھتا ہوں۔ وہ اجازت دیں گے تو میں بتادوں گا۔ پھر جب ان کی اجازت آئی تو انھوں نے مجھے مراقبہ کا طریقہ بتایا۔ پیر الٰہی بخش کالونی کے مکان نمبر ۳۲۸ میں قیام تھا۔ وہاں عشاء کے بعد مراقبے میں بیٹھا تو ایک بزرگ سیاہ ریش اور سر پر ہلکا گلابی رنگ کا عمامہ پہنے ہوئے میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ میں بیٹھا رہا۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن تشریف لائے تو فرمایا کہ اوپر آسمان کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو ایک نہایت حُسین اور پُر انوار بزرگ نظر آئے۔ جو بزرگ تین دن سے نظر آرہے تھے (وہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے) انھوں نے فرمایا کہ اُن بزرگ کو (۱) سلام کرو۔ میں نے سلام کیا تو انھوں نے جواب دیا اور جواب دینے کے بعد فوراً انھوں نے حضور انور ﷺ کی طرف رخ کرلیا۔ میں بے تاب ہوگیا اور عجیب حالت ہوگئی۔ دیر تک بے تابی

---

(۱) وہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

ہمتِ او کشتِ ملت را چو ابر
ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر

رہی، میرے دل کا تصفیہ فرمایا گیا۔ پھر بکثرت بزرگانِ دین (علیہم الرحمہ) کی زیارت ہونے لگی۔ شاید ہی مشاہیر میں کوئی ایسے ہوں گے جن کی مجھے زیارت نصیب نہیں ہوئی ہو۔ اُن کو دیکھ کر میرا دل خود کہتا تھا کہ یہ فلاں بزرگ ہیں، کبھی اُن کے قریب ہی ان کا نام لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ یہ واقعہ غالباً ستمبر ۱۹۴۹ء کا ہے۔

اکتوبر ۱۹۴۹ء میں دادا پیر محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کے لیے ایصالِ ثواب کے سلسلے میں مظفر گڑھ میں اجتماع ہونے والا تھا تو صوفی محمد احمد صاحب کے ساتھ میں بھی وہاں گیا۔ تین دن اجتماع رہا۔ صوفی محمد احمد صاحب نے حضرت شاہ زوّار حُسین صاحب سے مجھے بیعت کرنے کی سفارش کی۔ انھوں نے پہلے اور دوسرے دن نہیں بلکہ تیسرے دن عشاء کے بعد مسجد کے ایک گوشے میں مجھے بیعت فرمایا۔ مراقبے میں کئی بزرگوں کی اور بالخصوص حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی۔ ہم لوگ حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ملتان گئے۔ وہاں حضرت شمس سبزواری ؒ سے منسوب ایک مزار پر حاضری دی۔ وہ بزرگ بہت ضعیف نظر آئے۔ ان کی کمر جھکی ہوئی تھی اور ان کے ساتھ اُن کے صاحب زادے بھی تھے جو حافظ تھے۔ ان سے گفتگو ہوئی۔ (میرا خیال ہے کہ یہ باپ بیٹے کوئی اور بزرگ ہیں۔)

پھر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قُدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضری دی۔ میں نے دیکھا کہ ان کے بائیں پہلو کی طرف اُن کے صاحب زادے حضرت صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ (سیاہ ریش) تشریف رکھتے ہیں۔ (اُن کا نام

آخری وقت معلوم ہوا)۔ لیکن وہ کہیں تشریف لے جانے والے تھے۔ حضرت بہاء الدین زکریا قدس سرہ کا عمامہ بہت اونچا تھا (شاید علمی فضیلت کی وجہ سے)۔ وہ لیٹے رہے۔ بہت قوی الجثہ بزرگ نظر آئے۔ شفقت کی ایسی نظر تھی جیسے کوئی بزرگ اپنے پوتوں اور نواسوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ وہ اس عاجز کو اسی طرح نظر بھر کر نہیں دیکھ رہے تھے۔ بلکہ نظر غلط انداز ڈالتے رہے۔ موٹا گاڑھے کا کرتہ اور تہمد زیب تن تھا۔ مجھے بڑی شفقت سے بیضاوی شکل کے سکّے عنایت فرمائے۔ جن پر اُبھرے ہوئے الفاظ نقش تھے، لیکن میں نہ پڑھ سکا۔ فرمایا کہ تم کو دین و دنیا کی نعمتیں دی گئی ہیں۔ الحمد للہ! پھر اُن کے پوتے حضرت رکن الدین علیہ الرحمہ کے یہاں حاضری دی۔ مجھے غالباً میرے دل کی تصویر دکھلائی گئی کہ پانی بھرا ہوا ہے لیکن کہیں کہیں کاہی جمی ہوئی ہے۔ پھر نفس کی شکل دکھلائی گئی کہ کوئی چھوٹا سا سانپ ہے جو میرے قریب سے گزرنے لگا اور مجھے اس سے خوف محسوس ہوا۔

پھر ہم لوگ حضرت شاہ صاحب کے ساتھ خیر پور ٹامی والی گئے، وہاں چند گھنٹے قیام کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے مجھے دوسرا سبق دیا۔ یعنی بیعت کے دو دن کے بعد ہی سبق بڑھا دیا۔ پھر بحمد اللہ بہ کثرت بزرگوں کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے نوازا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کرم فرمایا۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی طور پر بہت نوازا۔ پھر ایک دن دیکھا کہ بزرگوں کی دو صفیں آمنے سامنے لگی ہوئی ہیں اور کسی بزرگ کی آمد کا انتظار ہے۔ پھر حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ میں مراقبے ہی میں کھڑا ہو گیا۔ دیکھا کہ

حضرت مجدّد الف ثانی قدّس سرّہ تشریف لائے۔ نہایت حسین اور نازک اندام۔ سبز مخمل کا جُبّہ زیبِ تن تھا۔ زر دوزی کے بڑے بڑے گلاب کے پھول لگے ہوئے تھے۔ میں نے چند باتیں دریافت کیں تو مجھے جواب عنایت فرمائے۔ بڑا کرم فرمایا۔

۱۹۴۹ء میں حضرت شاہ زوّار حُسین شاہ صاحب سے بیعت ہوا تھا۔ اُن کی توجہات سے عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے۔ کراچی میں پیر الٰہی بخش کالونی کے مکان نمبر ۳۲۸ میں قیام تھا۔ اندر کے برآمدے میں بیٹھا مراقبہ کر رہا تھا تو دیکھا کہ اسی جگہ سے ایک نالا بہتا ہوا لیاری ندی میں جاتا تھا۔ جہاں میں بیٹھا تھا وہاں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مجھ سیاہ کار پر شفقت ہوئی۔ فرمایا کہ "مجھے مسلمان قوم سے شرم آتی ہے کہ میری قوم نے اُن کو بہت دھوکے دیے ہیں۔"

کراچی میں اورنگی کے علاقے میں پہلے کوئی آبادی نہیں تھی۔ داہنی طرف ایک مزار کسی بزرگ کا ہے۔ اُس کے آگے ایک نالا تھا جو عموماً خشک رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ذرا آگے ایک ٹیکری ہے۔ لیکن ٹیکری سے پہلے وہاں ایک پیغمبر علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں۔ (وہاں میں ایک کرم فرما پروفیسر محمد حسین سلیمانی کے ساتھ حاضر ہوا تھا)۔ مجھے اب تک ان کا چہرہ مبارک یاد ہے۔ بہت خوب صورت ہیں۔ سیاہ ڈاڑھی، سر کے سیاہ بال (کانوں تک) اور صحت مند ہیں۔ بڑی شفقت سے پیش آئے۔ کئی ہزار سال پہلے اُس مقام تک سمندر تھا۔

اس کے ساحل کے لوگوں کی اصلاح کے لیے وہ مبعوث ہوئے تھے۔ اتفاق سے حضرت شاہ زوّار حُسین صاحب (خیرپور ٹامی والی سے) کراچی تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوُا اور اس مقام کا ذکر ان سے عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ آج صبح کو میں بھی وہاں حاضر ہوُا ہوں۔

یہ عاجز اس مقام پر کبھی رات کو بھی چلا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ شبِ قدر میں تراویح کے بعد بھی تنہا چلا گیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی سانپ یا بڑے کیڑے نے میرے پیر کی انگلی منہ میں لے لی تھی لیکن پھر چھوڑ دی۔

وہ مقام اب کسی نے گھیر لیا ہے اور اب وہاں کھیتی ہوتی ہے۔ اس کے مشرق کی طرف بہت لمبا پہاڑی سلسلہ ہے اور اب وہاں بھی آبادی ہو گئی ہے۔ اس پہاڑی میں پہلے اژدھے بھی تھے۔

اکتوبر ۱۹۵۵ء میں اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ زوّار حُسین صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں خیرپور ٹامی والی حاضر ہوُا تو ایک دن انھوں نے اشراق کے بعد مجھ سے فرمایا کہ سندھ یونی ورسٹی چلے جائیے!۔ میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے۔ وہاں سے جب میں کراچی واپس آیا تو سندھ یونی ورسٹی کے رجسٹرار صاحب کا خط ملا کہ آپ حیدر آباد آجائیں۔ کچھ دن کراچی میں کام کرنے کے بعد مئی ۱۹۵۶ء میں میرا تقرر صدر شعبۂ اردو (پروفیسر کے گریڈ میں ایک اضافے کے ساتھ) ہو گیا۔ لیکن مجھے ہندوستان جانا تھا' اس لیے میں نے وہاں سے آکر ۱۴ جولائی کو سندھ یونی ورسٹی میں چارج لیا۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ زوّار حُسین صاحب کی خدمت میں خیر پور تامی والی حاضر ہوُا، میرے ساتھ علی گڑھ کے ہم جماعت دوست عبدالغنی اور کراچی کے سیٹھ عبدالغفار (م ۱۹۹۹ء) بھی تھے۔ وہاں سے ہم لوگ پاک پٹن شریف حاضر ہوئے۔ اتفاق سے حضرت بابا فرید شکر گنج قدس سرہ کا مزار شریف مقفل تھا۔ معلوم ہوُا کہ چند روز ہوئے کہ عُرس ہوُا تھا اور اس موقع پر وہاں مزار شریف پر صندل لگایا گیا تھا۔ وہ ابھی پوری طرح خشک نہیں ہوُا تھا اس لیے مقفّل کر دیا گیا ہے۔ اُس زمانے میں مزار شریف میں مغرب کی طرف ایک کھڑکی تھی۔ وہاں میں کھڑا ہو کر فاتحہ پڑھنے لگا تو بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظر مجھ پر ڈالی تو میں تڑپ گیا اور میں لوٹ پوٹ ہو گیا۔ میں اللہ! اللہ! کہہ کر شور کرتا رہا۔ اپنے قابو میں نہ تھا۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے لیکن میرا شور کم نہ ہوُا۔ پھر جمعہ کی اذان ہونے لگی تو طبیعت قابو میں آئی۔ ہم لوگ وضو کر کے اگلی صف میں بیٹھ گئے۔ عبدالغنی صاحب میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ میرے پیر بھائی ہیں۔ وہ روحانیت کے اُس وقت تک قائل نہیں ہوئے تھے لیکن اب جوں ہی انھوں نے مجھے پکڑا ان پر بھی کیفیات طاری ہو گئیں اور وہ بے قابو ہو گئے۔ ایسی کیفیات سے ان پر بڑا اثر ہوُا اور کہنے لگے کہ بھائی' آج مجھے روحانیت کا قائل ہونا پڑا۔

سہ شنبہ ۶ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ (۷ فروری ۱۹۹۷ء) کو فجر کے بعد مراقبہ میں تھا تو یکایک دیکھا کہ آسمان سے (مغرب کی طرف سے) ہزاروں بلکہ لاکھوں بزرگانِ دین (رحمھم اللہ تعالیٰ) اُترتے ہوئے آرہے ہیں۔ بہت سی قطاروں کے بعد سبز پتیوں کے ہار (مختلف اقسام کی پتیوں کے ہار)

ریلے کی طرح اُترتے ہوئے نظر آئے۔ پہلے کی قطاروں میں میرے مرشد مولانا زوّار حسین صاحب علیہ الرحمہ بھی تھے۔ وہیں حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنی رحمۃاللہ علیہ کچھ اعلان فرمارہے تھے (اُن کو دیکھا نہیں لیکن اُن کی آواز کو پہچانتا ہوں)۔ یہ بھی دیکھا کہ کچھ بزرگ زمین میں سے باہر نکل رہے تھے۔ یہ منظر مراقبے کے بعد بھی دیر تک آنکھوں کے سامنے رہا۔ کچھ جنّات بھی تھے اور سب بزرگوں اور جنّات کے سر پر عمامہ تھا۔ سب کی بڑی بڑی ڈاڑھیاں تھیں۔ ایک بزرگ کی بائیں آنکھ کے ڈھیلے میں کچھ خرابی تھی۔ سب بزرگ خاموش تھے اور ترچھی نگاہ سے داہنی طرف کو دیکھ رہے تھے۔ پہلی قطار میں حضرت مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرّہ، اُن کے صاحب زادگان، حضرت مظہر جانِ جاناں اور حضرت شاہ غلام علی (رحمہم اللہ تعالیٰ) بھی نظر آئے۔ (معلوم نہیں کیا واقعہ ہوگا۔)

اے مُرغِ سحر ، عشق ز پروانہ بیا موز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیا مد
(سعدیؔ)

بعض متفرق واقعات

میں نے انجمن اسلامیہ ہائی اسکول جبل پور سے ۱۹۲۸ء میں نویں جماعت پاس کی۔ بڑے بھائی صاحب نے اپنی محدود تنخواہ کے باوجود مجھے علی گڑھ بھیج دیا۔ وہاں میرا ٹیسٹ ہوا اور مجھے دسویں جماعت میں داخلہ مل گیا۔ جوبلی ہوسٹل کے کمرہ نمبر ۳۵ میں رہتا تھا۔ میرے ساتھ بمبئی کے مُنیر الدین ہیں دادی اور پونا کے محمد اسمٰعیل صاحب رہتے تھے۔ اسی ہوسٹل میں محی الدین جمالی (پڈرونا۔ کھرگ پور والے) تھے۔ اُن سے بڑی دوستی رہی۔ ایک دن انھوں نے کہا کہ چلو دہلی چلیں۔ بہت سستا زمانہ تھا۔ ایک روپے ۵ آنے میں علی گڑھ سے دہلی تک کا واپسی کا ٹکٹ تھا (جمعہ کو جاکر منگل تک واپس آسکتے تھے)۔ محی الدین جمالی کے ساتھ قریب ۲ گھنٹے میں دہلی پہنچا۔ جامع مسجد، قلعہ اور دوسرے مقامات ہوتا ہوا حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد مجھے ایسی محویت ہوئی کہ مجھے ہوش نہیں رہا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوگئی۔ وہ بہت خوب صُورت تھے اور بڑی شان دار مسند پر جلوہ افروز تھے۔ مجھے دعا دی۔ میرے دوست کہیں چلے گئے تھے۔ واپس آکر مجھے بیدار کیا۔ میں نے کہا کہ میں کچھ دیر اور بیٹھوں گا۔ میں وہاں پھر محو ہوگیا اور بڑی توجہات حاصل ہوئیں۔ زندگی میں غالباً ایسی سعادت پہلی بار نصیب ہوئی۔ الحمدللہ!

ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ (فروری ۱۹۳۲ء) میں خواب دیکھا کہ میں حافظِ قرآن ہوگیا ہوں۔

غالباً ۱۹۳۲ء ہی کا واقعہ ہے، میں منڈلہ (سی۔پی) گیا۔ وہاں میری ہمشیر صاحبہ رہتی تھیں۔ مولانا اولاد حسین صاحب تھوڑے فاصلے پر ایک مسجد کے امام تھے۔ وہاں میں نے عشاء کی نماز پڑھی تو مولانا نے کہا کہ قراءت سناؤ۔ میں نے سورۃ الرحمٰن کا پہلا رکوع بڑے جوش کے ساتھ سنایا تو پوری مسجد (جنّات سے) بھر گئی۔ قراءت ختم کرتے ہی وہ مسجد بالکل خالی ہو گئی۔ صرف چند لوگ جو پہلے تھے وہی رہ گئے۔

جون ۱۹۳۴ء کے پہلے ہفتے میں دیکھا کہ میں نے اُستاذی حضرت قاری ضیاء الدین احمد صاحب کے ساتھ حج کیا ہے۔

۱۹۳۵ء میں پھر یہی خواب دیکھا کہ میں نے حج کیا ہے۔

شب دو شنبہ یکم رجب ۱۳۵۴ھ کو پھر دیکھا کہ میں حافظِ قرآن ہو گیا ہوں۔

۲۹ شعبان ۱۳۵۴ھ (۲۷ر نومبر ۱۹۳۵ء) کی شب میں کسی بڑے بزرگ کی زیارت ہوئی لیکن نام کا خیال نہیں رہا۔

شبِ یک شنبہ ۱۳۵۴ھ (۲۹ر دسمبر ۱۹۳۵ء) کو دیکھا کہ میں نے ایک دن میں تیئیسواں پارہ (ومالیَ) حفظ کر لیا ہے۔

شبِ شنبہ یکم ربیع الاوّل ۱۳۵۵ھ (۲۳ر مئی ۱۹۳۶ء) کو دیکھا کہ میں پہلا پارہ حفظ کر رہا ہوں۔

شبِ پنج شنبہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ کو دیکھا کہ میں حج کو جا رہا ہوں۔

شبِ جمعہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۶ء کو پَردادی سکینہ کو خواب میں دیکھا۔

شبِ یک شنبہ ۲۸ محرم ۱۳۵۶ھ (۱۱ اپریل ۱۹۳۷ء) کو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا تاج الدین ناگ پوری علیہ الرحمہ کی زیارت ہوئی۔

شبِ دو شنبہ ۷ رجب ۱۳۵۶ھ (۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء) کو والد صاحب کو عرصے کے بعد خواب میں دیکھا۔ والد صاحب کا انتقال ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں جبل پور میں ہوا تھا۔ میں ہر جمعہ کو (ہر موسم میں) ان کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتا تھا۔ پھر جب نانی صاحبہ کا انتقال ہوا اور وہ مدار ٹیکری کے قبرستان میں دفن ہوئیں تو وہاں بھی اکثر حاضر ہوتا تھا۔ مدار ٹیکری میں مدار چلّہ کے مشرقی نشیب میں نانی صاحبہ کا مزار ہے اور اُن کے کچھ نشیب میں چٹانوں کے درمیان ایک بزرگ کا کچا مزار ہے۔ وہاں میں اکثر تنہائی میں بیٹھا رہتا تھا اور بڑا سکون حاصل ہوتا تھا۔

شبِ پنج شنبہ ۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۹ھ (۲۵ر جولائی ۱۹۴۰ء) کو دیکھا کہ میں بغداد شریف حاضر ہو کر حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوا ہوں۔

شبِ سہ شنبہ ۳ ربیع الاوّل ۱۳۶۵ھ (۵ر فروری ۱۹۴۶ء) کو دیکھا کہ حضرت احمد صابر (کلیر شریف) علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

غالباً ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے کہ سقوطِ حیدر آباد (دکن) ہو رہا تھا اور ہندوستان کا وزیر پٹیل جو مسلمانوں کا دشمن تھا، بہت شرارت کر رہا تھا۔ میں قائد

اعظمؒ کے مزار پر گیا اور افسوس ظاہر کیا تو وہ جوش میں سُرخ ہو گئے اور فرمایا
"عزم چاہیے! عزم!"

ایک مرتبہ (غالباً ۱۹۵۰ء) میں ہندوستان گیا۔ ناگ پور محترم بھائی پروفیسر سید رفیع الدین صاحب کے یہاں 4- Starky Town میں قیام کیا۔ پھر حضرت بابا تاج الدینؒ علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر حاضر ہوا۔ ایصالِ ثواب کرنے کے بعد عرض کیا کہ حضور، میرے اسباق تازہ فرمادیں۔ انھوں نے فرمایا۔ "کہاں کے اسباق؟ چل میرے ساتھ" (کچھ اسی طرح فرمایا)۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ وہ مجھے آسمانوں کی سیر کراتے رہے اور لاکر مجھے اپنی جگہ پر چھوڑ دیا۔ بڑا اکرم فرمایا۔

۱۹۵۰ء میں مولانا محمد سعید گوہانوی صاحب، صوفی محمد احمد صاحب اور بھائی بشیر اللہ صاحب کے ساتھ دریا خان اور ڈیرہ اسماعیل خان ہوتا ہوا درابن سے موسیٰ زئی شریف حاضر ہوا۔ حضرت حاجی دوست محمد قندہاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عثمان دامانی اور حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی شفقتیں فرمائیں۔ حضرت حاجی دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیر کے متعلق بشارتیں حضرت مولانا محمد سعید گوہانوی صاحب سے فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس حقیر کی شرم رکھ لے اور رسوا نہ کرے۔ آمین۔

۱۹۵۶ء میں سندھ یونی ورسٹی میں میرا تقرر ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد مخدوم نوح (ہالائی) رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی۔ مجھے اپنا قرآن دکھلایا۔ فرمایا کہ میں نے قرآن پاک کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ تم اس کے لیے کوشش کرو۔ میں نے مخدوم طالب المولیٰ صاحب کو خط لکھا۔ اُنھوں

نے فوراً مجھے وہ ترجمہ عنایت فرمایا۔ میں نے صرف ایک پارہ (ترجمہ کا) شائع کیا (اور ان محترم کے مالی تعاون سے)۔ بعد میں مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب نے اُسے مکمل شائع کیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ (پاک و ہند) کے زمانے میں والد صاحب کو خواب میں دیکھا کہ فوجی لباس میں ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کو فوجی لباس سے کیا تعلق؟۔ فرمایا کہ "کچھ کام تھا"۔ بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی فوج میں شامل فرمایا۔

جمعہ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ (۲۰ جولائی ۱۹۷۳ء) کے مراقبہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ سر پر سنہرا تاج تھا اور مجھ حقیر کو بہ غور دیکھ رہے تھے۔

جمعہ یکم محرم ۱۳۹۴ھ (۲۵ جنوری ۱۹۷۴ء) کو خواب میں بیت المعمور کی زیارت نصیب ہوئی۔ بے حد حسین سفید سنگ مرمر جیسی کسی چیز سے تعمیر ہوئی ہوگی۔

الحمدللہ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے۔

جمعہ ۹ ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ (۲۳ اگست ۱۹۹۶ء) کو میری طبیعت زیادہ خراب تھی تو دیکھا کہ ایک نوجوان سرخ زریں عبا پہنے ہوئے سامنے کھڑے ہیں۔ اُن کے ساتھ کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں اور وہ سب مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

شب سہ شنبہ ۲۴ محرم ۱۴۲۰ھ (۱۱ مئی ۱۹۹۹ء) کو منجھلے بھائی عبدالرحمٰن خاں صاحب خواب میں تشریف لائے۔ سفید ڈھیلا کرتہ اور چوڑے پائنچوں کا پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔ ماشاءاللہ خوب تن درست تھے۔

وہ سامنے کھڑے ہوئے تھے اور ان کی بائیں طرف ایک شخص چھپا ہؤا اور جھکا ہؤا کھڑا تھا۔ بھائی صاحب نے فرمایا کہ انعام ملنے والا ہے۔ وہ شخص عارف محمود (بجنوری) تھا۔ جو قریب ۱۲ سال سے مراقبہ میں شریک ہؤا کرتا ہے لیکن پیچھے چُھپ کر بیٹھتا ہے۔،

۱۹۹۸ء میں ہندوستان نے پاکستان کو خائف کرنے کے لیے پانچ ایٹمی دھماکے کیے تھے۔ اس کے جواب میں پاکستان نے بلوچستان کے ایک پہاڑی علاقے میں ۲۸ مئی کو چھے ایٹمی دھماکے کیے جن کی وجہ سے ہندوستان کا حوصلہ پست ہو گیا۔ وزیر اعظم محمد نواز شریف نے اعلان کیا کہ اس دن کی یاد کے لیے لوگ کوئی نام تجویز کریں۔ عارف محمود نے ''یوم تکبیر'' تجویز کیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی یہ نام تجویز کیا لیکن قُرعے میں عارف محمود کا نام نکل آیا۔ اُن کو وزیر اعظم نے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔

(میں نے اپنے طور پر اس دھماکے کا نام ''ضربِ ہیبت'' بنایا تھا۔ جس کے اعداد ۱۴۱۹ھ بنتے ہیں)۔

چہار شنبہ ۱۶ شوال ۱۴۱۹ھ (۳ فروری ۱۹۹۹ء) کو مکہ معظمہ کے ایک امام صدیق محمد صاحب غریب خانے پر تشریف لائے (وہ وہاں کے آٹھ اماموں میں سے ہیں)۔ مکہ معظمہ میں ان کا نام سعود عبد العزیز ہے۔ انھوں نے یہاں (حیدر آباد کی) مسجد میں ظہر کی نماز (قصر) پڑھائی۔ پھر اتفاق سے ایک جنازہ آگیا۔ اُس کی نماز بھی پڑھائی۔ وہ کئی احباب کے ساتھ تھے۔

کچھ اور انعامات

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں اور انعامات کے بکثرت واقعات ہیں۔ایک مرتبہ ناگ پور سے بس میں امراوتی جارہا تھا۔ قریب ۳۰ میل کے فاصلے پر ایک گانو پر بس ٹھہری۔ میں نے اس کے ڈرائیور سے کہا کہ (عصر) کی نماز پڑھ لوں۔ ابھی آتا ہوں۔ وہ ڈرائیور ہندو تھا اُس نے بس چلادی۔ قریب آدھا فرلانگ گیا ہو گا کہ بس خراب ہو گئی اور کھڑی ہو گئی۔ میں نماز پڑھ کر وہاں پہنچا۔ڈرائیور شرمندہ ہو گیا۔ پھر فوراً بس چلنے لگی۔

ایک مرتبہ جبل پور سے گوندیا کے راستے میں ریل کے ایک اسٹیشن پر مغرب کی نماز کا وقت ہوا۔ ایک پیر صاحب نے جماعت سے نماز پڑھائی، سلام پھیرا ہی تھا کہ ریل کی سیٹی ہوئی، پیر صاحب اور دوسرے لوگ فوراً سوار ہو گئے ۔ میں دو (۲) سنت پڑھنے لگا۔ اللہ کی شان کہ گاڑی چل نہ سکی۔ انجن بند ہو گیا ۔ میں جب نماز سے فارغ ہو کر ڈبے میں بیٹھا' پھر فوراً گاڑی چلنے لگی۔ (ایک مرتبہ اور بھی ایسا واقعہ ہوا ہے)۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ دن کا وقت تھا۔ میرا روزہ تھا۔ ایک ہندو اپنی سگریٹ یا بیڑی جلانے کے لیے ماچس جلانا چاہتا تھا۔ میں "یا نور کونی بردا" پڑھتا تھا۔ اور وہ ماچس فوراً بجھ جاتی تھی۔

بہ کثرت بار اس نے ماچس جلانے کی کوشش کی، میں ہر بار وہی پڑھتا تھا۔ آخر وہ عاجز ہو کر بیٹھ گیا اور خاموش ہو گیا۔

جب امراؤتی کالج میں تھا، ایک دن بازار گیا اور ایک دُکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ وہیں کچھ دوسرے حضرات آگئے اور اپنے اپنے علم کے مطابق "اسم اعظم" کی نشان دہی کرنے لگے۔ یکا یک ایک مجذوب بازار سے گزرتا ہوا میرے پاس آیا (اور ہم لوگوں کی باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے) مجھ سے اس نے فرمایا "اسم" کے کیا معنیٰ ہیں؟۔ میں نے کہا "نام"۔ پھر اُس نے پوچھا "اعظم" کے کیا معنیٰ ہیں؟۔ میں نے کہا "سب سے بڑا"۔ پھر اُس نے کہا "سب سے بڑا نام کس کا ہو سکتا ہے؟"۔ میں نے کہا "اللہ کا"۔ بس وہ مجذوب فوراً رخصت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کیسا کرم فرمایا! اُس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

میرے بچپن کے دوست ڈاکٹر سید محمد سعید جبل پوری (م ۱۹۶۹ء) کے والد سید محمد عبدالکبیر صاحب کا کراچی میں انتقال ہوا تو کچھ عرصے کے بعد میں نے اُن کو خواب میں دیکھا۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟۔ فرمایا، تم کو یاد ہو گا کہ شہر میں کسی بھی شخص کے انتقال کی خبر مجھے ملتی تھی تو میں اُس کے غسلِ میت کے لیے چلا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آئی اور میری مغفرت فرما دی۔ سبحان اللہ۔

مولانا سلیمان اشرف ؒ کا جس دن انتقال ہوا میں اپنے ایک دوست کے ساتھ حیدر آباد (دکن) میں تھا۔ ریڈیو سے مولانا کے انتقال کی خبر سنی تو سخت

قلق ہوُا۔ اُن کے لیے دعا کی اور ایصالِ ثواب کیا۔ اسی رات مولانا خواب میں تشریف لائے، دوسری رات پھر تشریف لائے اور تیسری رات پھر تشریف لائے تو مجھے خواب ہی میں خیال آیا کہ مجھے ایک مرتبہ اُنھوں نے ڈانٹا تھا' شاید اسی وجہ سے مسلسل تین راتوں سے تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ تو میرے استاد ہیں اور والدین کی طرح شفقت فرماتے ہیں۔ آپ کوئی خیال نہ فرمائیں۔ پھر اس کے بعد کبھی خواب میں تشریف نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر بے حساب رحمتیں اور نعمتیں ہر وقت نازل فرماتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

جب میں کنگ ایڈورڈ کالج، امراوتی (برار) میں پڑھاتا تھا تو قریب تین ماہ تک مجھے مسلسل پیچش کی شکایت رہی اور میں بہت کمزور ہو گیا تھا، تو نانا صاحب خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ آج تم شکر قند کھالو۔ میں بازار گیا اور شکر قند لایا تو ایک ہی مرتبہ کھانے سے وہ تکلیف فوراً ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ میرے نانا صاحب پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین

پاکستان بن جانے کے بعد بڑے بھائی صاحب اپنے ساتھ ہاجرہ اور سراج احمد کو کراچی لے آئے تھے۔ میں اور اہلیہ مرحومہ مع ظفر احمد اور بچہ عزیز احمد خاں ۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو بمبئی سے بحری جہاز میں کراچی ۷ نومبر کو پہنچے۔ بھائی صاحب وغیرہ ہم سب لوگ کراچی کے محلہ چاکی واڑہ میں ایک مکان میں مقیم تھے۔ ۲۴ نومبر کو شیر خوار عزیز احمد خاں کا انتقال ہوا اور ۲۸ نومبر کو اہلیہ بھی چل بسیں۔ مارس کالج ناگپور سے رخصت پر آیا تھا وہاں سے محترم پروفیسر سید رفیع الدین صاحب کا خط آیا کہ مارچ تک کام کر کے اپریل سے تعطیل ہونے

ہر آپ واپس جا سکتے ہیں۔ اس لیے دسمبر میں ہوائی جہاز سے بمبئی گیا اور وہاں
سے ریل میں ناگ پور پہنچا۔ چند روز کام کیا، پھر دسمبر کی تعطیل میں حیدر آباد
دکن گیا۔ وہاں قبلہ ماموں عبدالمجید خاں صاحب اور ہمشیر صاحبہ وغیرہ بہت
سے اعزاء (فسادات کی وجہ سے) مقیم ہو گئے تھے۔ ان سے مل کر پھر ناگ پور
واپس آیا۔ اور جنوری میں ۱۵/۱۶ دن کام کیا۔ لیکن پھر بڑے بھائی کا تار کراچی
سے آیا کہ سراج احمد خاں کو موتی جھرا نکل آیا ہے۔ چناں چہ ملازمت ترک
کر کے ۲۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی پہنچ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسلامیہ کالج
قائم ہوا اور مجھے وہاں لے لیا گیا۔ قریب دو سال وہاں کام کیا، پھر مولوی
عبدالحق صاحب نے مجھے اردو کالج میں صدرِ شعبۂ اردو کی حیثیت سے لے لیا۔
وہاں قریب ۶ سال تک کام کیا۔ آخری ایک سال میں کراچی یونی ورسٹی میں
شعبۂ اردو میں بھی کام کیا۔ وہاں یونی ورسٹی میں مجھے کسی وجہ سے مستقل جگہ پر
نہیں لیا گیا تو یکایک یہ آیت میرے دل و دماغ کی تسکین کے لیے یاد آئی کہ :

اَلیسَ اللہ بکافٍ عبدہٗ ؟ ۔ (کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ؟)

افسوس کہ بھائی حاجی نذیر احمد خاں صاحب کو آخر میں استسقاء کی
بیماری ہو گئی تھی، ہاجرہ اور سراج احمد ہر وقت اُن کی خدمت میں رہے اور اس
عاجز نے بھی حتی المکان علاج کرایا لیکن مشیتِ الٰہی سے وہ دو شنبہ ۹ ذی الحجہ
(یوم الحج) ۱۳۷۶ھ (۸ جولائی ۱۹۵۷ء کو) کراچی میں فوت ہو گئے اور
تین ہٹی کے قبرستان میں والدہ صاحبہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

انتقال سے چند روز پہلے (فجر کے قریب) میں نے خواب میں والدہ
صاحبہ کو دیکھا (۱۷ صفر ۱۳۷۶ھ کو فوت ہوئی تھیں)۔ وہ زور زور سے

فرما رہی تھی "نذیر نہیں آتا۔ نذیر نہیں آتا۔" آواز اِس زور کی تھی کہ میری آنکھ کھُل گئی اور میں سمجھ گیا کہ وہ بھائی صاحب کو اپنے پاس بُلا رہی ہیں۔

ہم لوگ کراچی میں (۳۲۸، پیرالٰہی بخش کالونی) میں رہتے تھے۔ اُس وقت سراج احمد سلمہ' قریب ۶/۷ سال کا تھا' تو یکایک غائب ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں سے خانہ بدوش لوگ گزرے تھے وہ شاید لے گئے ہیں۔ میں سخت بے قراری کے عالم میں تھا اور میرے پاس کوئی چارۂ کار نہیں تھا سوائے اس کے کہ بارگاہِ الٰہی میں سر رکھ دوں۔ میں دیر تک گڑگڑا کر عرض کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کو جوش آیا اور سراج احمد اُن لوگوں کے چنگل سے نکل بھاگا اور گھر پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا کس زبان سے شکر ادا ہو سکتا ہے!

بالکل اسی طرح کا واقعہ یہاں سندھ یونی ورسٹی میں ہوا۔ ہمارے یہاں مکان کے بالکل عقب میں لڑکیوں کا ہاسٹل تھا۔ اُس میں ایک ملازم تھا۔ وہ صفیہ سلمہا کو (جو اُس وقت دوڈھائی سال کی تھی) اُٹھا کر لے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ میں صفیہ کے متعلق معلوم کروں، اُس کی والدہ سے پوچھا کہ صفیہ کہاں ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہیں کہیں کھیل رہی ہوگی۔ میں نے کہا کہ نہیں، فوراً دیکھو۔ انھوں نے دیکھا تو کہیں نہیں تھی۔ میں گھر سے باہر نکلا تو وہ (ہاسٹل کا ملازم) اُسے لے کر اُس راستے سے جو پوسٹ آفس کی طرف جاتا ہے، لیے جا رہا تھا۔ میں نے اُسے للکارا۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔ لیکن میں نے اُس کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمائے۔ آمین

میں جب کراچی میں تھا تو میرے ایک کرم فرما عبدالحسیب صاحب جبل پوری کے والد صاحب کو کسی نے غائب کر دیا۔ عبدالحسیب صاحب نے مجھ سے دعا کے لیے فرمایا۔ میں سجدے میں گر کر دعا کر رہا تھا کہ یکایک ایسا نظر آیا کہ اُن کے والد صاحب کسی نل کے قریب پڑے ہوئے ہیں اور اُن کا سر کاٹ دیا گیا ہے۔ میں نے یہ واقعہ عبدالحسیب صاحب کو شاید نہیں بتایا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آمین

سندھ کے قیام کے زمانے میں ٹھٹھہ، پیر پٹھو، لواری شریف، بدین، بھٹ شاہ، ہالا، قاضی احمد، گرہوڑی شریف، ٹنڈو محمد خان، ٹنڈو سائیں داد، قبہ شریف، میرپور خاص، سامارو، نواب شاہ، ردہڑی، جیکب آباد، لاڑکانہ، دادو، جھم پیر وغیرہ اور مشرقی پاکستان میں ڈھاکا وغیرہ بہ کثرت مقامات کے بزرگوں کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی۔ کیفیات اور حالات کہاں تک بیان کیے جائیں۔ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ (الحمد للہ)

ٹھٹھہ (مکلی) کے قبرستان میں بارہا حاضر ہوا ہوں۔ وہاں حضرت نقیل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب بھی حاضر ہوا عجیب جوش اور وارفتگی پیدا ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ "تم بہت مصروف رہتے ہو اس لیے قادری سلسلے کا ایک ہی سبق کر لیا کرو۔ یعنی ہر روز ایک سو بار کلمہ طیبہ پڑھ لیا کرو۔"

پروفیسر علی نواز جتوئی مرحوم (صدرِ شعبۂ سندھی، سندھ یونی ورسٹی) کے ساتھ سندھ کے بہ کثرت اولیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کے لیے پروفیسر صاحب کے ساتھ ریل سے سیحون پہنچا۔ وہاں سے تانگے میں بیٹھ کر ہم لوگ مزار شریف کی طرف جانے لگے تو حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ خود ہی تشریف لے آئے۔ فرمایا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ میں تو بدعات کی وجہ سے وہاں نہیں رہتا۔ میں نے عرض کیا کہ کم از کم آپ کے آستانے ہی کی زیارت ہو جائے گی۔

وہاں اسٹیشن سے مغرب کی طرف مجھے کئی مرتبہ کشش ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلفاء حضرت حافظ محمد موسیٰ ؒ اور محمد اسحٰق ؒ کے مزارات ہیں۔ غلطی سے ان کو سیحونی کے بجائے شوحین، شوین (کتابوں میں) لکھا گیا ہے۔

یہ واضح رہے کہ مسلمان جب شمالی مغربی علاقوں سے ہندوستان میں داخل ہوئے تو انھوں نے اپنے دریاؤں کے نام یہاں کے دریاؤں کے لیے مقرر کر دیے۔ یعنی گنگا کو جیحون اور سندھ کو سیحون کہنے لگے۔

حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف میں داخل ہونے سے پہلے داہنی طرف اُن کے خلیفہ سیّد علی رحمہ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ کتابوں میں ہے کہ وہ بغداد کے گورنر رہ چکے تھے۔ اُن کے خاندان سے میرے کرم فرما حافظ سید ضمیر الحسن مرحوم حیدر آباد میں تھے۔ اُن کے ساتھ کئی مرتبہ وہاں حاضری ہوئی۔ ایک مرتبہ اُن کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ اُن کے ساتھ سید علی رحمۃ اللہ

علیہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، عرض کیا کہ حضرت آپ کے عزیز حافظ ضمیر الحسن صاحب کی کئی بیٹیاں ہیں۔ بیٹے نہیں ہیں۔ یکایک مزار شریف کی چھت سے گلاب کا ایک پھول گرا۔ میں نے وہ پھول حافظ صاحب کی اہلیہ کو پیش کیا کہ اُسے کھالیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کہ پھر اُن کے یہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ الحمد للہ!

کہا جاتا ہے کہ سید علی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بھائی سندھ کے گورنر رہ چکے ہیں۔ ان کا خاندان یوپی میں چلا گیا۔ وہاں سیہون سے سہسوان ایک شہر کا نام ہوا (بدایوں کے قریب) اس کے متعلق بعض دوسری روایت بھی ہے۔ وہاں اب بھی سندھی محلہ ہے اور اس کے رہنے والوں کی زبان پر سندھی کے بہت سے الفاظ چڑھے ہوئے ہیں۔

اسی طرح بُرہان پور (سی۔ پی) میں سندھی محلہ ہے اور وہاں سندھ کے بہت سے اولیاء دفن ہیں اور وہاں کے اولیاء ٹھٹھہ میں ہیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ جمعہ اور دو شنبہ کو اپنے یہاں مراقبہ ہوا کرتا ہے۔ (پہلے عصر کے بعد قرآن خوانی اور مسائل شریعت کا بیان ہوتا تھا اور مغرب کے بعد مراقبہ ہوتا تھا)۔ دوشنبہ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ (۳۱ اکتوبر ۱۹۸۳ء) کو قرآن خوانی کے بعد اور پھر مغرب کی نماز سے فراغت پر جب حلقہ ذکر و مراقبہ شروع ہوا اور یہ عاجز جب حقیقتِ کعبہ والے سبق پر پہنچا تو سامنے خانہ کعبہ کا دروازہ نظر آیا اور ملتزم پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے ساتھ کچھ دوسری خواتین بھی نظر آئیں اور وہ سب مجھ عاجز

کو دیکھتی رہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا چوں کہ اُمّ المومنین ہیں اس لیے ان کا چہرۂ مبارک کھلا ہوا تھا۔ لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا نقاب میں تھیں۔ تاہم اُن کے چہرۂ مبارک کی روشنی جھلک رہی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا چہرۂ مبارک گول تھا، سر کے بال بھی گول گول بندھے ہوئے تھے۔ بہت خوب صورت اور تن درست نظر آئیں۔ البتہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کا چہرۂ مبارک کچھ لمبا نظر آرہا تھا اور کچھ دبلی نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں کے صدقے میں عاقبت بہ خیر فرمائے۔ سب عزیزوں اور کُل مسلمانوں کو فلاح دارین نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ حجاہ (خانہ کعبہ کے دروازے کا رخ مشرقی ممالک (پاکستان، ہندوستان وغیرہ) کی طرف ہے۔ ممکن ہے کہ اس سعادت و برکت سے مشرقی ممالک میں دین کا رشتہ کچھ زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے)۔

ایک مرتبہ خیال آیا کہ میں اپنے ایک عزیز کو دیکھ لوں کہ میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چناں چہ ایک دن عشاء کے بعد مراقبے میں بیٹھا تھا تو ان کا خیال کرتے ہی مجھے ایسا محسوس ہؤا کہ میں اُن کی قبر میں داخل ہو گیا ہوں۔ اُن کو اچھی طرح دیکھا اور اُن کے حلیے کے متعلق جو باتیں سنی تھیں وہ سب نظر آئیں۔ انھوں نے فرمایا کہ میرے انتقال پر میرے بڑے بھائی صاحب نے تجہیز و تکفین میں پچاس روپے صرف کیے تھے وہ تم ان کو ادا کر دو۔ میں نے وعدہ کیا۔ مراقبہ کے بعد مرحوم کی ایک عزیزہ سے اس رقم کے متعلق بتایا تو وہ ہکا بکا رہ گئیں۔ اور کہنے لگیں کہ اس رقم کے بارے میں ہمارے علاوہ کسی کو علم نہیں۔ اور ہم نے یہ رقم اُن کے بھائی صاحب کو اس لیے ادا نہیں کی تھی کہ وہ حقیقی بھائی ہیں۔

بہر حال میں نے وہ رقم فوراً ان کے بھائی کو بھیج دی۔ اس رقم کے ملنے کے چند روز کے بعد اُن کا بھی انتقال ہو گیا۔

کلفٹن (کراچی) میں حضرت عبداللہ شاہ غازی علیہ الرحمہ کا مزار مشہور ہے۔ کئی مرتبہ حاضر ہوا ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کے بھائی صاحب اور کئی حضرات کے ساتھ حاضر ہوا۔ ہم سب لوگ مُراقب ہوئے۔ اُن کا مزار مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ (شمال سے جنوب کی طرف نہیں ہے)۔ مراقبے کے بعد میرے ساتھ جو کئی بزرگ تھے انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کو کیا نظر آیا؟۔ میں نے عرض کیا کہ اس مزار میں وہ بزرگ نہیں ہیں۔ کوئی بڑا پرندہ دفن کر دیا گیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں اسی علاقے میں دوسری جگہ ہوں، یہاں نہیں ہوں (خدا کرے کہ مجھے صحیح کشف ہوا ہو)۔ میرے ساتھ جو کئی بزرگ تھے انہوں نے فرمایا کہ تم صحیح کہتے ہو۔

کوئٹہ گیا تو وہاں سے "زیارت" مقام پر بھی حاضر ہوا۔ وہاں بابا طاہر خرواری علیہ الرحمہ کا مزار ہے۔ بڑی کیفیت طاری ہوئی۔ ایسا یاد ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم میرے خاندان سے ہو۔

پشاور میں مہابت خان علیہ الرحمہ کے مزار پر بھی (کئی مرتبہ) حاضری دی۔ عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ وہ اور اُن کے بھائی جو ساتھ ہی دفن ہیں بے حد شفقت سے پیش آئے۔ اُن دونوں کے مزار جوشِ محبت میں لرز رہے تھے۔ ایسا

محسوس ہوا کہ مہابت خانؒ، مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تم میرے خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔

سیالکوٹ میں ملا عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر (کئی بار) حاضری نصیب ہوئی۔ بڑا کرم فرمایا۔ اور وہاں ہر وقت ایک جن کو خدمت میں حاضر دیکھا۔

خواب میں دیکھا کہ قیامت آرہی ہے۔ گردو غبار پھیلا ہوا ہے۔ میری اہلیہ قمر بیگم قرآن پاک پڑھ رہی ہیں۔ دوسرے لوگ بھی پڑھ رہے ہیں۔

علامہ آئی آئی قاضی صاحب نے جب سفر آخرت اختیار فرمایا تو سندھ کے ایک بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ اُن کی نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔ میں نے عرض کیا کہ حضورِ انور ﷺ کو تو تحقیق کے ساتھ معلوم ہو جاتا تھا (خواہ فرشتوں کے ذریعے) لیکن ہم لوگوں کو تحقیق کے ساتھ معلوم نہیں کہ یہ سانحہ کس سبب سے ہوا ہے۔ بہر حال میں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ واقعہ ۱۳ اپریل کا ہے۔ میں گھر آکر سو گیا تو ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ جسے عقل تسلیم نہیں کرے گی۔ وہ یہ کہ رات کو قریب ۳ بجے علامہ صاحب تشریف لائے، میں گرمی کی وجہ سے صحن میں سو رہا تھا، مجھے جگایا اور فرمایا کہ تم نے ابھی تک تہجد کی نماز نہیں پڑھی۔ میں نے وضو کیا اور نماز شروع کی تو علامہ صاحب میرے مصلے کے قریب بیٹھے رہے۔ پھر فرمایا "مجھ سے غلطی ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے"۔ میرا دل بہت متاثر ہوا۔ میں اُن کے لیے دعا کرتا ہوں۔

بس دعا ہے کہ اللہ پاک اپنے حبیب ﷺ، کُل انبیاء علیہم السّلام، کُل بزرگانِ دین علیہم الرضوان والرحمہ کے صدقے اور طفیل میں آخرت میں بھی لاج رکھ لے اور میرے عیوب کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے جس طرح اِس دنیا میں نوازا ہے، آخرت میں بھی نوازے۔ نیز یہ عاجزانہ دعا ہے کہ میرے تمام اعزا، متعلقین و مسلمین کو سلفاً و خلفاً بیش از بیش فلاح دارین عطا فرمائے اور ہم سب کی نسلوں کو قیامت تک ایمان پر رکھے، اور ایمان پر اٹھائے۔
آمین ثم آمین!

گِلے خوشبوئے در حمام روزے ۔ رسید از دستِ محبوبے بہ دستم
بدو گفتم کہ مُشکی یا عبیری ۔ کہ از بوئے دلآ ویزِ تو مستم
بگفتا من گِلے نا چیز بُودم ۔ ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہم نشیں دَر من اثر کرد ۔ وگرنہ مَن ہماں خاکم کہ ہستم

(سعدیؔ)

کچھ ذکر پیروں کا

میری کتاب ''بھولی ہوئی کہانیاں'' میں جبل پور کے ایک پیر صاحب کا ذکر ہے، جو طوائفوں کا گانا سنتے تھے۔ سوانح محمد یوسف خان گلشن آبادی کی خود نوشت سوانح عمری میں (جو راقم الحروف نے شائع کی ہے) اُن کے پیر صاحب کا ذکر ہے جو ''ڈومنیوں کا ناچ'' دیکھتے تھے۔ میں جب کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی میں تھا اور امراؤتی کیمپ میں رہتا تھا تو وہاں ایک پیر صاحب حیدر آباد (دکن) سے آیا کرتے تھے۔ ایک صاحب نے اُن کے جلسے میں مجھے بھی یاد فرمایا۔ سماع شروع ہوا تو پیر صاحب کھڑے ہو گئے۔ اُن کے ساتھ ہم سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ پیر صاحب نے یکایک مجھے پکڑ کر نا چنا چاہا۔ میں اُن کے قابو میں نہ آسکا۔ اُنھوں نے پھر موقع پا کر مجھے پکڑ لیا اور ۲۔ ۳ چکر لگائے۔ جونہی اُن کی گرفت ڈھیلی ہوئی میں اُس محفل سے باہر آگیا۔ پیر صاحب شرمندہ ہو گئے اور لوگوں نے اُن پر لعنت بھیجی۔ پاکستان آکر جب حضرت شاہ زوّار حُسین صاحب علیہ الرحمہ سے بیعت ہوا تو پھر کئی پیروں نے اپنے اپنے سلسلے میں مجھے بیعت کرنے کی کوشش کی۔ ایک صاحب فرمانے لگے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) سے میری ملاقات ہوتی ہے۔ ایک دن فرمایا کہ حضور انور ﷺ تشریف لائے تھے لیکن کسی وجہ سے آپ کے مکان پر تشریف نہیں لائے اور مسجد تشریف لے گئے۔ ایک دن ایک مَن گھڑت حدیث سُنائی کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر بانہ

بسطامی" پڑھانے والے ہوں اور رابعہ بصری" پڑھنے والی ہوں تب بھی تنہائی میں کسی عورت کو پڑھانا جائز نہیں۔ ان پیر صاحب نے طرح طرح سے رقم حاصل کی۔ پھر حیدر آباد تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آپ قادریہ سلسلے میں مجھ سے بیعت ہو جائیں۔ پھر مجھے وہ حیدر آباد کے بزرگ عبدالوہاب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر لے گئے اور میرے ساتھ وہ بھی مراقب ہوئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی طرف سے مجھے اشارہ ہوا کہ اس شخص سے گریز کرو۔

حیدر آباد میں پھر کئی اور پیر آتے رہے اور مجھے شکار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک پیر صاحب نے دو (۲) کتابیں بھیجیں کہ وہ اُن کی تصنیف کردہ ہیں۔ اُنھیں دیکھ لیں۔ وہ کتابیں سلوک کے متعلق تھیں لیکن بعد میں اندازہ ہؤا کہ وہ کسی دوسرے بزرگ کی لکھی ہوئی تھیں اور موجودہ پیر صاحب نے اپنے نام سے شائع کی تھیں۔ وہ جب تشریف لائے تو بالکل "گدّھے" معلوم ہوتے تھے۔ نیلا ریشمی تہمد، پھول دار کُرتہ، ریشمی ٹوپی، چار اُنگلیوں میں انگوٹھیاں، سُرخ موزے، زری کے جوتے، اُن کا لباس تھا۔ میں نے اُن کی کتابوں میں جو آیتیں درج تھیں اُن کی شرح چاہی تو بیچارے ہر بار "ہُوں، ہُوں، ہُوں، ہُوں" کہتے رہے۔ پھر ذکر جہر صرف ھُو ھُو (بلند آواز سے) کرنے کو فرمانے لگے۔ بیچارے کیا جانیں کہ بلند آواز سے ھُو ھُو کرنا کس قدر دشوار ہے کہ چند بار کرنے ہی سے انسان تھک جائے گا۔

کراچی میں پروفیسر محمد حسین سلیمانی صاحب میرے ساتھ اردو کالج میں ساتھ تھے۔ اُن کا بیٹا گُم ہو گیا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ الٰہی سینا لائن کے علاقے

میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ اُن سے دعاء کرانے کے لیے میرے ساتھ چلو۔ میں وہاں حاضر ہؤا۔ اندازہ ہؤا کہ اُن کی آمدنی کچھ کم ہو گئی ہے۔ فرمانے لگے کہ میں ہاتھوں میں مشک و عنبر لگا کر (خوشبو دار) دعاء کرتا ہوں۔ آپ لے آئیں، تو میں دعاء کر دوں گا۔ بیچارے سلیمانی صاحب پریشان تھے اس لیے کہنے لگے کہ پیر صاحب آپ ہی مشک و عنبر منگوالیں۔ پیر صاحب بہت خوش ہوئے، کیوں کہ وہ یہی چاہتے تھے۔ غالبًا یہ واقعہ ۱۹۴۰ء کا ہے۔ پیر صاحب نے ستر روپے طلب فرمائے۔ وہ اُن کو پیش کر دیے گئے۔ قریب ہی مسجد تھی۔ ظہر کی اذان ہونے لگی۔ پیر صاحب نے مکۃ معظمہ میں نماز پڑھنے کے لیے ارادہ ظاہر کیا۔ ہم لوگ چھوٹے آدمی تھے تو ہم نے وہیں مسجد میں نماز پڑھ لی۔

ایک اور زبردست پیر صاحب نے پہلے اپنے خاص مُریدوں کو شکار کرنے کے لیے میرے پاس بھیجا۔ پھر وہ خود تشریف لائے۔ دعویٰ فرمایا کہ میں پاکستان میں اسلام قائم کر کے رہوں گا۔ لیکن میں نے اُن میں شریعت کے خلاف کئی باتیں دیکھیں۔ اور اُن سے طبیعت نے اِبا کیا۔ اُن کے متعلق کئی باتیں بیان کرنے سے گریز کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

حیدر آباد میں حضرت عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے گرد بہت سے کھانے کمانے والے بھی پڑے رہتے ہیں۔ ایک صاحب شاید اس نیت سے میرے پاس آئے کہ اس (راقم الحروف) کے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں تو اپنا اثر قائم کیا جائے۔ وہ بیچارے لمبا کرتہ اور عمامہ زیب تن کر کے آئے۔ اور بیٹھتے ہی انھوں نے جو کچھ سیکھا تھا مجھ پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ مجھے تر شما

کچھ درد محسوس ہوا، میں فوراً ذکر کی حالت میں بیٹھ گیا۔ شاید ایک منٹ بھی نہ لگا ہوگا کہ وہ پیر صاحب ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور معافی مانگنے لگے۔ پھر قریب ڈھائی ماہ بیمار رہے۔ اس دوران ایک آدمی کو بھیجا کہ مجھے معاف کر دیں۔ پھر ڈھائی ماہ کے بعد خود تشریف لائے اور ذکر کا طریقہ سیکھا۔ الحمد للہ۔

ایک صاحب نے کچھ جادو سیکھ کر جوان لڑکیوں کو متأثر کیا تھا۔ لڑکیوں کے عزیزوں نے مجھ سے فرمایا کہ کچھ دَم کر دوں۔ لڑکیاں اچھی ہو گئیں لیکن اُن صاحب نے انتقام کے طور پر کچھ جادو مجھ پر کرنا چاہا۔ رات کو مکان کی گلی میں کچھ اثر ظاہر ہوا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ مُزّمّل پڑھی تو وہ اثر (بحمداللہ) فوراً ختم ہو گیا۔

دریغا کہ بَر خوانِ الوانِ عمر
دمے چند خوردیم و گُفتند بس
(سعدیؔ)

ہے آج جو سرگزشت اپنی
کَل اُس کی کہانیاں بنیں گی
(امیرؔ مینائی)

فضلِ کبیر

MUJADDIDI MEDIA

مجددی میڈیا سروس

حیدرآباد

طالب دعا

محمدجنیدخان

00923332638403